بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا جنسی تعلق پرائیویٹ معاملہ ہے؟

طلوعِ اسلام بابت مئی، جون ۱۹۸۲ء میں "عورت" سے متعلق مقالہ کے ضمن میں تحفظِ عصمت کی اہمیت کا سوال سامنے لایا گیا تو ہماری نئی نسل کے ایک نمائندہ نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ یا یوں کہیے کہ اس کی وضاحت چاہی ہے۔ میں نے اسے "نئی نسل کا نمائندہ" اس لئے کہا ہے کہ یہ سوال تنہا اس کی طرف سے نہیں پوچھا گیا۔ مجھ سے اکثر نوجوان اس قسم کے سوالات پوچھتے رہتے ہیں۔ اس سوال (یا اعتراض) کا ملخص یہ ہے کہ جنسی جذبہ ایک فطری تقاضا ہے۔ اگر ایک بالغ لڑکا اور لڑکی، باہمی رضامندی سے اس تقاضا کو پورا کر لیتے ہیں، تو اس میں ہرج کیا ہے؟ یہ ان کا پرائیویٹ معاملہ ہے جس میں کسی کو دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سوسائٹی اپنے مصالح کی خاطر (مثلاً اولاد کا تشخص یا کوئی اور قانونی تقاضا پورا کرنے کے لئے) اس پر کوئی شرائط عائد کر دیتی ہے، تو اس طرح یہ معاشرتی مسئلہ ہو جائے گا۔ معاشرہ اس باب میں آزاد ہو گا کہ وہ کوئی پابندی عائد کرے یا نہ کرے۔ اور عائد کرے تو وہ کس قسم کی؟ (جیسا کہ مغربی ممالک، بالخصوص انگلستان یا امریکہ میں ہو رہا ہے جہاں اب صحبت ہم جنس (HOMO-SEXUALITY) کو بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا)۔

سوال یہ ہے کہ اگر جنسی اختلاط کا مسئلہ واقعی انفرادی یا زیادہ سے زیادہ، معاشرتی ہے، تو اس کے لئے مرد اور عورت کو باہمی اختلاط کی آزادی ہونی چاہیئے، یا زیادہ سے زیادہ، ان شرائط کے تحت جو معاشرہ نے اس پر عائد کر رکھی ہوں۔ لیکن اگر اس کا اثر پوری قوم۔ بلکہ عالمگیر انسانیت پر پڑتا ہو، تو پھر اس پر عالمگیر پابندیوں کی ضرورت ہو گی، جنہیں مستقل اقدار کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم اسے عالمگیر انسانیت کا مسئلہ قرار دیتا ہے، اس لئے تحفظِ عصمت کو مستقل قدر کہہ کر پکارتا ہے۔ ہمارا یہ نوجوان طبقہ، مذہب سے اس قدر متنفر ہو چکا ہے (جس کے ذمہ دار ہم خود ہیں) کہ وہ کسی مذہبی سند یا دلیل سے مطمئن نہیں ہوتا۔ وہ دانشورانِ مغرب کی تحقیق کو سند اور حجت تسلیم کرتا ہے۔ میں نے آج سے قریب تیس سال پہلے، ایک مقالہ لکھا تھا جس میں ایک مغربی دانشور کی تحقیق کی رو سے بتایا تھا کہ جنسی اختلاط کا مسئلہ

انفرادی نہیں۔ اس کا انسانیت کی تہذیب و تمدن، اور قوموں کے عروج و زوال پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس کے بعد بھی میں اسے وقتاً فوقتاً دھراتا رہا۔ لیکن یہ سوال اب ایسا عام ہو رہا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس پر بازدگر۔ تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے۔ تیس سال پہلے اگر اس کے اثرات دریا کے ساحلوں تک محدود تھے اور وہ انہی کو متاثر کر سکتے تھے جو ان میں غوطہ زن ہوں، تو آج وہ سیلاب بن کر بستی بستی کوچے کوچے گلی گلی میں پھیل چکا ہے بلکہ گھروں کے اندر تک کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ باہر سے یہ لٹریچر اگر ساون کی گھٹاؤں کی طرح امنڈتے چلا آ رہا ہے تو ملک کی اپنی زمین سے اس کے چشمے لیے راہ رو ادب، شاعری، موسیقی، رقص، سینما، ریڈیو، ٹیلی ویژن، وی سی آر وغیرہ کی شکل میں قدم قدم پر پھوٹ رہے ہیں۔ اور اس بدنصیب سرزمین کا ذرہ سا ٹکڑا بھی ایسا نہیں رہا جو کثافت آلودہ نہ ہو چکا ہو۔ کوئی اس کا علاج سنگین ترین سزائیں تجویز کرتا ہے اور کوئی عورتوں کو گھروں کے اندر بند کر دینا۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ جو تقاضے دل کی گہرائیوں سے ابھر رہے ہیں، ان کا علاج "دل کے بدلنے" کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اور دل، صحیح تعلیم و تربیت سے بدل سکتے ہیں۔ خارجی سزاؤں اور بندشوں سے نہیں۔

بہرحال ذیل میں وہ مقالہ درج کیا جاتا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جنسی اختلاط، مرد اور عورت کا ذاتی معاملہ نہیں۔ اس کا اثر قوموں کی زندگی پر بڑا گہرا پڑتا ہے۔

(٠)

زندگی کے حیوانی تقاضے

جب زندگی اپنے ارتقائی منازل طے کرتی، ایک درجہ اوپر ابھرتی ہے تو اگرچہ اس میں، اس کی سابقہ سطح کے مقابلہ میں، کچھ لطیف اور بلند جوہروں کی نمود ہوتی ہے، لیکن وہ سابقہ سطح کی بہت سی خصوصیات اور لزومات بھی اپنے ساتھ لاتی ہے۔ انسانی پیکر میں نمودار ہونے سے پہلے، زندگی عام حیوانی سطح پر کارفرما تھی۔ انسانی سطح پر پہنچ کر وہ حیوانی سطح کی جن خصوصیات کو ساتھ لائی، انہیں حیوانی جبلت یا ANIMAL INSTINCT) کہا جاتا ہے، اور علم الحیات کی رو سے انہیں تین بڑی بڑی شقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یعنی جذبۂ تحفظِ خویش (SELF-PRESERVATION) جذبۂ تغلبِ خویش (SELF-AGGRESSION) اور جذبۂ افزائش نسل (SELF-PROCREATION) ان میں تیسرا جذبہ بڑا اہم اور نہایت شدید ہوتا ہے، کیونکہ فطرت کا پروگرام یہ نہیں کہ جو شے موجود ہے وہ ایک مدت تک موجود رہنے کے بعد معدوم ہو جائے۔ وہ چاہتی یہ ہے کہ اس کا سلسلہ آگے بڑھتا چلا جائے، خواہ اس کے لئے فطرت کو کتنا ہی طویل اور محنت، طلب طریق کار کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ ایک ننھے سے بیج سے پودے کی نمود ہوتی ہے۔ فطرت کس قدر طول طویل پروگرام کے بعد اس پودے کو ایک تناور درخت کا پیکر عطا کرتی ہے۔ فطرت کے نزدیک اس تناور درخت کا منتہیٰ کیا ہے؟ صرف یہ کہ اس میں ایسے بیج پیدا ہوں جن سے درخت کی اس نوع کا سلسلہ آگے بڑھتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ درخت سے

انسان بہت سے فوائد حاصل کرتا ہے ـــــ اس کی لکڑی کار آمد ہوتی ہے۔ اس کی سرسبزی اور شادابی کا موسم پر نمایاں اثر پڑتا ہے۔ اس کے پھل ہمارے لئے لذتِ کام و دہن کا موجب اور جسمانی نشو و نما کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن یہ سب وہ لالچ ہیں جو فطرت نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے انسان کو دے رکھے ہیں۔ فطرت کا مقصد درخت سے بیج پیدا کرنا ہی ہے تاکہ اس سے اس کی "افزائشِ نسل" ہو۔ حیوانات میں افزائشِ نسل کا سلسلہ جنسی اختلاط کی رُو سے ہوتا ہے۔ فطرت نے اپنے مقصد (تسلسل و بقائے انواع حیوانی (انسانی) کے حصول کے لئے اس اختلاط میں خاص حظ و کیف کا سامان مضمر رکھا ہے۔ یہ وہ لالچ یا ترغیب ہے جس سے فطرت اپنا کام نکالنا چاہتی ہے۔ زندگی کی بقا، تسلسل اور ارتقاء کے لئے ان جذبات کے تقاضوں کا پورا کرنا ضروری ہے جنہیں ہم نے جبلی تقاضے کہہ کر پکارا ہے ـــــ کھانا، پینا، صحت کا برقرار رکھنا اور افزائشِ نسل ـــــ لیکن زندگی کے ان تقاضوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان جبلی جذبات کو بے محابا اور بے لگام نہ چھوڑا جائے، بلکہ ان پر کچھ پابندیاں عائد کی جائیں۔ حیوانات کی صورت میں یہ پابندیاں فطرت خود عائد کرتی ہے ـــــ بکری پر فطرت کی طرف سے عائد کردہ پابندی ہے کہ وہ صرف نباتات کھائے، گوشت نہ کھائے۔ شیر پر یہ پابندی ہے کہ وہ صرف گوشت کھائے۔ چونکہ حیوانات کو صاحبِ اقتدار پیدا نہیں کیا گیا اس لئے وہ ان پابندیوں پر عمل پیرا رہنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ انہیں ان کے توڑنے یا ان حدود سے تجاوز کرنے کا اختیار ہی نہیں ہوتا۔

حیوانات اور جنسی جذبہ

کھانے پینے کے علاوہ جنسی جذبہ کی تسکین کے لئے بھی حیوانات پر فطرت کی طرف سے کنٹرول عائد ہوتا ہے۔ ایک بیل، سال بھر گایوں کے گلے میں چلتا پھرتا رہتا ہے۔ لیکن اسے کبھی جنسی اختلاط کا خیال تک نہیں آتا۔ حالانکہ یہ قوت بیل میں اس وقت بھی موجود ہوتی ہے۔ لیکن جب ملاپ کا (MATING SEASON) آتا ہے تو گائے اور بیل دونوں میں یہ جذبہ بیدار ہو جاتا ہے اور جب ان کے اختلاط سے استقرارِ حمل ہو جاتا ہے تو پھر انہیں اس کا خیال تک نہیں آتا۔ ہر چند بات حیوانی سطح کی ہو رہی ہے، اور وہ بھی جنسی اختلاط کے موضوع پر، لیکن اس کا کیا علاج کہ اس سلسلہ میں، غالبؔ کا ایک نہایت لطیف و نظیف شعر ابھر ابھر کر جھانکتا اور بے نقاب ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

> جاک مت کر جیب بے ایامِ گل — کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیئے!

حیوانات اُدھر کے اشاروں کے منتظر رہتے ہیں۔ اشارہ نہیں ہوتا تو ان کا کوئی جذبہ اُبھرتا نہیں۔ اور جب اُدھر کا اشارہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس کی تسکین کے لئے مجبور ہی نہیں، بے قابو ہو جاتے ہیں۔ یار دیگرے کی معذرت کے سامنے کہ

> عشق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش غالبؔ
> کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے!

انسان اور جنسی جذبہ

لیکن انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا کیا گیا ہے اس لئے ان جذبات کی تسکین کے لئے اس پر فطرت کی طرف سے کنٹرول نہیں کیا گیا۔ کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر انسان پر اس کے جذبات کے تقاضوں کے سلسلہ میں کوئی پابندی عائد نہ کی جائے، انہیں بے محابا چھوڑ دیا جائے، تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اسے بیان کرنے کے لئے یا سمجھانے کے لئے، اقبالؒ کے ان برجستہ الفاظ سے بہتر اور موزوں تر الفاظ شاید ہی مل سکیں۔ کہ — دیوانہ بکارگہ شیشہ گراں — جیسے کوئی پاگل، چینی یا شیشے کے برتنوں کی دکان میں گھس آئے۔ اس معاشرہ کی ایسی ہی حالت ہو جائے گی۔

ایک نظریہ یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر یہ پابندیاں آپ عائد کرے گا۔ انسانوں کے وضع کردہ قوانین یا آداب و ضوابطِ معاشرہ، انہی پابندیوں کا نام ہے۔ لیکن قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ انسانی جذبات پر پابندیاں عائد کرنے کا یہ طریق کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ انسان اپنے جذبات سے الگ ہو نہیں سکتا اس لئے وہ کسی مصلحت یا مجبوری کے تحت جب بھی اپنے جذبات پر آپ پابندیاں عائد کرنے کے لئے بیٹھے گا تو اس کے جذبات اسے ان پابندیوں کو توڑنے یا ان سے نکلنے کی ہزار راہیں سجھا دیں گے۔ چونکہ یہ ایک مستقل اور جداگانہ موضوع ہے اس لئے میں اس وقت اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ میں اس وقت صرف اتنی وضاحت کروں گا کہ مغربی معاشرہ نے جنسی جذبات کی تسکین کے لئے جو پابندیاں عائد کیں، ان کا نتیجہ یا حشر کیا ہوا؟ ملکہ وکٹوریہ کا زمانہ ابھی کل کی بات ہے۔ اس وقت وہاں کا احساسِ ستر پوشی اس قدر شدید تھا کہ عورتوں کی ٹانگیں تو ایک طرف، جس چیز کے لئے بھی ان کی زبان میں ٹانگ (LEG) کا لفظ بولا جاتا تھا، وہ اسے بھی ڈھانپ کر رکھتے تھے۔ مثلاً وہ پیانو کی (LEGS) پر کپڑا چڑھا دیا کرتے تھے، کہ اس کی ٹانگیں ننگی نہ ہونے پائیں۔ اس کے بعد، مختلف اسباب و وجوہات کی بنا پر ان کے ہاں جنسیات سے متعلق تصورات میں جو تبدیلی پیدا ہوئی تو اب وہاں کچھ بھی مستور نہ رہا۔ اب وہاں مکمل برہنگی (NUDISM) تہذیب کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ اسی نسبت سے وہاں جنسی اختلاط سے متعلق قانون اور معاشرتی تقاضوں میں تبدیلیاں واقع ہونا شروع ہو گئیں۔ پہلے یہ قدم اٹھا کہ اگر ایک بالغ لڑکا اور لڑکی باہمی رضامندی سے، شادی کے بغیر، جنسی اختلاط پیدا کر لیں، تو اسے نہ قانونی جرم قرار دیا جائے گا، نہ معاشرہ کی نگاہ میں معیوب۔ البتہ اگر اس اختلاط کے نتیجہ میں کوئی بچہ پیدا ہو جاتا اور وہ لڑکا اس لڑکی کے ساتھ شادی نہ کرتا، تو اس بچے کو حرامی سمجھا جاتا اور معاشرہ میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ اب وہاں یہ تمیز بھی اٹھ گئی ہے۔ اب اسے معیوب سمجھا ہی نہیں جاتا۔ کچھ سال ادھر (۱۹۵۶ء میں) ان کے ایک میگزین (ESQUIRS) میں ایک مقالہ شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا (A BRIEF FOR BASTARDS) اس میں بڑے فخر سے کہا گیا تھا کہ حرامی بچے بڑے ذہین اور فطین ہوتے ہیں اور اس کے ثبوت ہیں، لکھا گیا تھا کہ ان کے ہاں کے بڑے بڑے

مشاہیر میں سے بیشتر حرامی تھے۔ جہاں تک شادی شدہ مرد یا عورت کا کسی دوسرے سے جنسی روابط قائم کرنے کا تعلق ہے، وہ اسی صورت میں جرم قرار پاتا ہے جب میاں یا بیوی کو اس پر اعتراض ہو۔ وہاں کی نئی نسل میں جوں جوں فحاشی کے جراثیم عام ہوتے گئے، جنسی روابط اور اختلاط پر پابندیوں کی رسیاں ڈھیلی پڑتی گئیں حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انگلستان میں مردوں کے باہمی جنسی اختلاط۔۔۔۔۔۔ (HOMO- SEXUALITY) کو بھی قانوناً جائز تسلیم کر لیا گیا، اور امریکہ میں لڑکوں کی باہمی شادیاں باقاعدہ گرجوں میں جا کر ہونے لگیں۔ کائنات میں یہ "امتیاز" صرف حضرتِ انسان نے اپنے لئے حاصل کیا ہے۔ بدسے بدتر حیوان کے تصور تک میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی۔ قرآن نے جب کہا تھا کہ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۔۔۔۔۔۔ (۷/۱۷۹) یہ لوگ، انسان نہیں، حیوان ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بدتر، تو وہ شاید انہی جیسے "مہذب" انسانوں کے لئے تھا! ان کے ہاں (LOVE) کا لفظ کبھی بڑے مقدس معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اب یہ پستی کی طرف۔ آتے آتے جنسی بدنہادی (SEX-PERVERSION) کے لئے بولا جانے لگا ہے۔ کچھ سال اُدھر کا ذکر ہے، انگلستان سے ایک کتاب شائع ہوئی تھی جس میں ایک مشہور شخصیت (سابق شاہِ مصر، فاروق مرحوم) کی حرامکاری کی رنگین داستانیں بڑی تفصیل کے ساتھ مزے لے لے کر بیان ہوئی تھیں۔ اس کتاب کا نام رکھا گیا تھا (THE GREATEST LOVER OF THE WORLD) اس سے آپ سمجھ لیجئے کہ اب وہاں (LOVE) سے کیا مراد ہے۔۔۔۔ اور (LOVER) کسے کہتے ہیں۔

نئی نسل کی اثر پذیری

یورپ اور امریکہ سے یہی خیالات اب، ہمارے ہاں درآمد ہو رہے ہیں اور ہماری سوختہ بخت قوم کی نئی نسل انہیں بڑے ذوق و شوق سے اپناتی چلی جا رہی ہے۔ ان سے بات کیجئے تو (فکرِ مغرب کے متبع ہیں) جواب ملتا ہے کہ

> جنسی جذبہ کی تسکین کا سوال اگر ایک فرد تک محدود رہے تو کسی دوسرے کو اس میں مداخلت کا کیا حق حاصل ہے؟ البتہ اگر اس سے کوئی اور فرد بھی وابستہ یا متاثر ہوتا ہو تو یہ مسئلہ معاشرتی بن جاتا ہے۔ اس صورت میں معاشرہ جس انداز کو بھی روا تسلیم کرے وہ جائز اور درست قرار پا جانا چاہیئے۔ یورپ اور امریکہ، ہم سے زیادہ "مہذب" ہیں اس لئے انہوں نے ان پابندیوں کو قریب قریب آخری حد تک، اٹھا دیا ہے اور بہت، اچھا کیا ہے۔ ہمارا معاشرہ ابھی قدامت پرست ہے، اس لئے یہ دیگر امور کی طرح اس باب میں بھی ان سے بہت پیچھے ہے۔ رفتہ رفتہ زمانے کے تقاضے انہیں بھی وہاں تک جانے کے لئے مجبور کر دیں گے۔

اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس وقت معاشرتی ضوابط کے تعین یا قوانین سازی کا کام، قدامت پرست طبقہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب یہ طبقہ ختم ہو جائے گا اور یہ امور نئی نسل کے ہاتھ میں آجائیں گے تو ہمارا ملک

بھی یورپ یا امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک کے ہمدوش چلنے کے قابل ہو جائے گا۔

ان تصریحات سے آپ نے دیکھ لیا کہ ہمارے ان نوجوانوں کے نزدیک جنسی اختلاط کے نتائج و عواقب کا ایک فرد یا ایک جوڑے تک محدود ہوتے ہیں، اس لئے ان کی آزادی پر پابندیاں عائد کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہونا چاہیئے۔ میں اگر چاہتا تو انہیں اپنے طور پر، (یعنی قرآن کریم کی روشنی میں) بتاتا کہ ان کا یہ مفروضہ غلط ہے کہ جنسی اختلاط، افراد کا پرائیویٹ معاملہ ہے اور کسی کو اس میں مداخلت کا حق نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن چونکہ ان نوجوانوں کے نزدیک "مذہب پرست" قدامت پسندوں کی کوئی رائے یا مشورہ قابل اعتنا نہیں ہوتا، قابل صد اعتبار، مغربی محققین کی تحقیقات اور وہاں کے مفکرین کے فکری نتائج ہوتے ہیں، اس لئے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ اس سلسلہ میں، میں اپنے ان عزیزوں کے سامنے، مغرب ہی کے ایک نامور محقق کی تحقیق کے نتائج پیش کروں۔ یہ محقق ہے، کیمبرج یونیورسٹی کا ڈاکٹر (J.D. UNWIN) اس نے دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والے اسی غیر مہذب (وحشی) قبائل کی زندگی کا مطالعہ اس نقطۂ نگاہ سے کیا کہ انسانی زندگی میں جنسیات اور کلچر کا باہمی تعلق کیا ہے۔ ان قبائل میں اگر ایک قبیلہ جنوبی امریکہ کا تھا تو دوسرا قطب شمالی کا۔ ایک آسٹریلیا کا تو دوسرا صحرائے افریقہ کا۔ اس کے بعد اس نے سولہ مہذب اقوام کی معاشرتی زندگی کا مطالعہ کیا اور اپنے مطالعہ اور تحقیق کے نتائج کو اپنی گراں قدر تصنیف، میں پیش کر دیا۔ جس کا نام ہے: (SEX AND CULTURE) ذیل میں اس کتاب کے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ انہیں بالخصوص غور سے سنے گا۔ اس کتاب کا پہلا فقرہ یہ ہے:۔

> دنیا کی مہذب اقوام ہوں یا غیر مہذب قبائل۔ سب کے ہاں جنسی مواقع اور قوم کی تمدنی حالت میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ اس مسئلہ پر تفصیلی تحقیق کی جائے۔ میری اس تحقیق کا ماحصل اور اس سے مستنبط نتائج اس کتاب میں پیش کئے گئے ہیں۔

متن کتاب سے بھی پہلے، دیباچہ میں لکھا ہے کہ

> اپنی تحقیقات کے بعد میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں، وہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ انسانوں کا کوئی گروہ ہو، اس کی تمدنی سطح کا انحصار دو چیزوں پر ہے۔ ایک ان لوگوں کا نظام زندگی اور دوسرے وہ توانائی جو ان حدود و قیود کی بنا پر حاصل ہوتی ہے جو اس گروہ نے جنسی تعلقات پر عائد کر رکھی ہوں۔ (X/V)

اسی کلیہ کو اس نے متن کتاب میں ان الفاظ میں لکھا ہے:۔

> کوئی گروہ کیسے ہی جغرافیائی ماحول میں رہتا ہو، اس کی تمدنی سطح کا انحصار صرف اس بات پر ہے کہ اس نے اپنے ماضی اور حال میں جنسی تعلقات کے لئے کس قسم کے ضوابط مرتب کر رکھے تھے۔ (صفحہ ۳۴۰)

آپ نے غور کیا کہ یہ محقق اپنی تحقیقات کے بعد کس نتیجہ پر پہنچا ہے؟ وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ جنسی

تعلقات محض ایک جبلی جذبہ کی تسکین کا نام نہیں بلکہ قوموں کی تہذیب و تمدن کا دارومدار اس جذبہ کی تحدید و تادیب پر ہے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر انون یہ بھی لکھتا ہے کہ

> اگر کسی قوم کی تاریخ میں آپ دیکھیں کہ کسی وقت اس کی تمدنی سطح بلند ہو گئی تھی یا نیچے گر گئی تھی تو تحقیق سے معلوم ہوگا کہ اس قوم نے اپنے جنسی تعلقات کے ضوابط میں تبدیلی کی تھی جس کا نتیجہ اس کی تمدنی سطح کی بلندی یا پستی تھا۔ (صفحہ ۳۰۲)

آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ

> جنسی تعلقات کے ضوابط میں تبدیلی کے اثرات تین پشتوں کے بعد (یعنی قریب سو سال میں) نمودار ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۳۳۳)

اس لئے اگر کسی قوم میں تمدنی تبدیلی واقع ہو۔ یعنی اُسے دنیا میں تمدنی عروج حاصل ہو یا اس پر زوال آ جائے تو اس عروج و زوال کے اسباب کے لئے دیکھنا چاہیئے کہ اس قوم نے سو سال پہلے اپنے جنسی تعلقات کے ضوابط میں کس قسم کی تبدیلیاں کی تھیں۔ جیسی وہ تبدیلیاں ہوں گی، اسی قسم کے نتائج مرتب ہوں گے۔

جبری تجرد

سب سے پہلے تجرد کی زندگی (CELIBACY) کو لیجئے جسے عیسائیت (اور اس سے متاثر شدہ مسلک خانقاہیت) روحانی ارتقاء کے لئے اولین شرط قرار دیتی ہے۔ اس کے متعلق ڈاکٹر انون کی تحقیق یہ ہے کہ

> جبری تجرد (COMPULSORY CELIBACY) کے اثرات انسانی تمدن پر ہلاکت انگیز ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۳۴۲)

جبری تجرد سے مفہوم یہ ہے کہ یہ چیز انسانی عقائد یا معاشرتی ضوابط میں شامل کر دی جائے کہ تجرد کی زندگی وجہ شرف و تقدس ہے اور اس طرح لوگوں کو ذہنی طور پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ تجرد کی زندگی بسر کریں۔ جیسے عیسائیوں کے ہاں (NUNS) اس قسم کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔

عیسائیت یا مسلک خانقاہیت میں جہاں یہ کہا جاتا ہے کہ تجرد کی زندگی ہی وجہ شرفِ انسانیت ہے تو دوسری طرف آجکل عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر جنسی جذبات کی تسکین کے سلسلہ میں کسی قسم کی بھی پابندی عائد کی جائے تو اس سے انسان کے اعصاب پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اور اس سے خطرناک قسم کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ڈاکٹر انون کی تحقیق یہ ہے کہ یہ خیال غلط ہے۔ جنسی جذبات پر پابندیاں عائد کرنے سے اعصابی بیماریاں پیدا نہیں ہوتیں۔ انہیں بے لگام چھوڑ دینے سے ایسا ہوتا ہے۔ (دیباچہ صفحہ xiii)

---(-)---

تین گروہ

اس تمہید کے بعد آگے چلئے۔ ڈاکٹر انون نے قدیم غیر مہذب قبائل کی تمدنی سطح کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، وہ سب سے نچلے درجے کا نام (ZOISTIC) رکھتا ہے۔ اس سے اوپر (MANISTIC) کا درجہ ہے اور سب سے اوپر (DEISTIC) کا درجہ۔ اس کے بعد انہی قبائل

قبائل کی تمدنی سطح کے مطالعہ کے بعد جن نتائج پر پہنچا ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) جس گروہ نے کنوارپن (PRE-NUPTIAL) کے زمانے میں جنسی تعلقات کی کھلی آزادی دے رکھی تھی وہ تمدن کی پست ترین سطح پر تھا۔

(۲) جن قبائل میں زمانۂ قبل از نکاح میں جنسی تعلقات، پر تھوڑی بہت پابندیاں عائد تھیں وہ تمدنی سطح کے درمیانی درجے پر تھے اور

(۳) تمدن کی بلند ترین سطح پر صرف وہ قبائل تھے جو شادی کے وقت عفت و بکارت (CHRSTITY) کا شدت سے تقاضا کرتے اور زمانۂ قبل از نکاح میں جنسی تعلق کو معاشرتی جرم قرار دیتے تھے۔ (صفحہ ۳۰۰ - ۳۲۵)

اس کے بعد ڈاکٹر انون، شادی کے بعد جنسی ضوابط سے بحث کرتا ہے۔ لیکن اس بحث کو چھیڑنے سے پہلے وہ اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ

> شادی کے بعد ضوابط کبھی تعمیری نتائج پیدا نہیں کر سکتے جب تک شادی سے پہلے کی زندگی میں عفت و عصمت پر زور نہ دیا جائے۔ (صفحہ ۳۴۳)

اس مقصد کے لئے وہ شادی کو چار بڑی بڑی قسموں میں تقسیم کرتا ہے۔ یعنی

(۱) عورت اپنی ساری زندگی میں ایک خاوند کی بیوی بن کر رہے اور مرد ساری زندگی ایک عورت کا خاوند رہے۔ ان کے رشتۂ نکاح کے منقطع ہونے کی کوئی شکل نہ ہو، بجز اس کے کہ عورت، ناجائز فعل کی مرتکب ہو جائے۔ اس کا نام، اس کے نزدیک مطلق وحدتِ زوج (ABSOLUTE MONOGAMY) ہے۔

(۲) رشتۂ نکاح عمر بھر کے لئے نہ ہو، بلکہ فریقین کی رضامندی سے منقطع بھی ہو سکتا ہو۔ اسے وہ ترمیم شدہ وحدتِ زوج (MODIFIED MONOGAMY) کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے۔

(۳) عورت تو صرف ایک خاوند کی بیوی بن کر رہے لیکن مرد کو اجازت ہو کہ وہ ایک سے زیادہ عورتیں رکھ سکے۔ اس کا نام اس کے نزدیک مطلق تعدد ازواج (ABSOLUTE POLYGAMY) ہے۔ اور

(۴) اگر مرد، دوسری عورتوں سے جنسی تعلق قائم کرے (یعنی ایک سے زیادہ بیویاں کر لے) تو عورت بھی آزاد ہو کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی اور کے ہاں چلی جائے۔ اسے وہ ترمیم شدہ تعدد ازواج (MODIFIED POLYGAMY) کہتا ہے۔

ڈاکٹر انون کا کہنا ہے کہ

> آج تک کوئی قوم شق ۱ کے "مطلق وحدتِ زوج" کے مسلک کو زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رکھ سکی۔ (صفحہ ۳۴۲)

اس لئے کہ یہ شکل اسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے جب، معاشرہ میں عورت کی کوئی حیثیت تسلیم نہ کی جائے۔ اور اسے مجبور کیا جائے کہ وہ ہمیشہ اپنے خاوند کی مطیع و فرمانبردار لونڈی بن کر رہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کسی معاشرہ میں ایسی صورت دیر تک قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ عورت کی طرف سے اس کا ردِ عمل ایسا شدید ہوتا ہے کہ وہ پھر معاشرہ کے تمام جنسی قیود کو توڑ کر "کامل آزادی" کا مطالبہ کر دیتی ہے اور اس کامل آزادی کے معنی ہوتے ہیں جنسی فوضویت (SEXUAL ANARCHY) جس کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ (ص۳۱۴)

اس کے بعد ڈاکٹر انون نے کہا ہے کہ تاریخ اس وقت تک جن اقوام و قبائل کے حالات محفوظ رکھ سکی ہے، ان میں سب سے بہتر تمدن کی حامل وہ قوم تھی جو شادی سے قبل جنسی اختلاط کی مطلقاً اجازت نہیں دیتی تھی اور شادی کے بعد شوہر کی ترمیم شدہ وحدت ازدواج کی پابند تھی۔ یعنی جن کا اصول یہ

بہترین تمدن کی حامل قوم

تھا کہ شادی کے بعد بھی جنسی تعلق صرف میاں بیوی میں رہے رشتہ نکاح محکم و استوار ہو لیکن ناقابلِ تنسیخ نہ ہو۔ بلکہ بعض حالات کے تحت منقطع ہو سکتا ہو۔ یہ وہی شکل ہے جسے قرآن تجویز کرتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنسی تعلقات پر اس قسم کی قیود و حدود عائد کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اس کے متعلق ڈاکٹر انون نے، مختلف ماہرینِ علوم کی شہادات سے اہم نتائج مستنبط کئے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ

جنسی تعلقات کی حد بندی سے ایک قسم کا ذہنی اور عصبی تناؤ (TENSION) پیدا ہوتا ہے جس سے جذباتی توانائی میں ارتکاز (COMPRESSION) پیدا ہو جاتا ہے۔ (ص۳۱۳)

یہ مرتکز شدہ معاشرتی توانائی اپنی نمود کے لئے مختلف راستے تلاش کرتی ہے۔ اس نفسیاتی عمل کو ڈاکٹر فرائڈ کی اصطلاح میں تطہیرات (SUBLIMATION) کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر انون کہتا ہے کہ

نفسیاتی تحقیقات سے ظاہر ہے کہ جنسی تعلقات پر حدود اور پابندیاں عائد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قوم میں قوتِ فکر و عمل بہت بڑھ جاتی ہے۔ نیز محاسبۂ خویش کی صلاحیت بھی۔ (ص۳۱۷)

فرائڈ کی تحقیق

بہتر ہو کہ اس موقع پر خود فرائڈ کے الفاظ ہمارے سامنے آجائیں۔ وہ لکھتا ہے کہ

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انسانی تہذیب کی عمارت استوار ہی اس طرح ہوئی ہے کہ لوگوں نے اپنے جذبات کی تسکین میں ایثار و قربانی سے کام لیا اور یہ عمارت دن بدن اونچی ہوتی جا رہی ہے۔ کیونکہ ہر فرد اپنے جذبات کو انسانیت کے مشترکہ مفاد کی خاطر قربان کرتا رہتا ہے۔ ان جذبات میں

جنسی جذبات کو خاص اہمیت حاصل ہے (جب ان پر کچھ پابندیاں عائد کردی جائیں تو) یہ اپنا رخ دوسری طرف منتقل کر لیتے ہیں۔ (جسے SUBLIMATION کہتے ہیں) اور اس طرح افراد کی فاضل توانائی، جنسی گوشوں کی طرف سے ہٹ کر ان گوشوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جو تمدنی طور پر بہت زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔

(S FREUD: INTRODUCTORY LECTURES ON PSYCHO-ANALYSIS; TRANSLATED BY J. RIVIERE: P. 17)

آپ نے دیکھ لیا کہ فرائڈ کی تحقیق کے مطابق، اگر جنسی توانائیوں کو بے محل ضائع نہ کیا جائے تو یہ انسانی تہذیب و تمدن کے قصرِ حسین کی تعمیر میں کس قدر ممد و معاون بن جاتی ہیں۔ ط۱

ڈاکٹر انون نے بتایا ہے جنسی تعلقات پر پابندیاں عائد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قوم میں قوتِ فکر و عمل اور کاسبِ تخلیق کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ اس کے برعکس:-

جو قوم اپنے مردوں اور عورتوں کو آزاد چھوڑ دے کہ وہ جنسی خواہشات کی تسکین جس طرح جی چاہے کریں، ان میں فکر و عمل کی قوتیں مفقود ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ رومیوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ حیوانوں کی طرح بلا قیود جنسی جذبات کی تسکین کرتا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ ان کے پاس کسی اور کام کے لئے توانائی باقی نہ رہی۔ (صفحہ ۳۹۸)

جنسی جذبہ کی تسکین کے سلسلہ میں قرآن کریم کی تعلیم کیا ہے، اسے تو ہم آگے چل کر بیان کریں گے لیکن اس وقت ایک ایسا نکتہ سامنے آگیا ہے جس کا ذکر کئے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ قرآن کریم نے ایک جگہ مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ وَلَا یَزْنُوْنَ - وہ زنا کے قریب تک نہیں جاتے۔

اضمحلال

اس لئے کہ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ...... (۶۸/۲۵) جو قوم ایسا کرتی ہے اسے اثاما سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ عربی زبان میں اَثِمَتِ النَّاقَةُ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو تھک کر مضمحل ہو جائے اور اس میں اتنی توانائی نہ رہے کہ وہ باقی قطار کے ساتھ چل سکے، اس لئے وہ ان سے پیچھے رہ جائے۔ آپ غور کیجئے کہ قرآن نے کس طرح ایک لفظ کے اندر اس تمام حقیقت کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے جس تک دورِ حاضر کی تحقیق اس قدر تجربات کے بعد پہنچی ہے۔ یعنی

ط۱ اس مقام پر اس حقیقت کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ فرائڈ نے جذبات کے متعلق اپنی تحقیق اور رنگ میں بالعموم جس قدر ٹھوکریں کھائی ہیں اور ان کے جو نقصان رساں نتائج مغربی معاشرہ میں نمودار ہو رہے ہیں وہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ ہم اس وقت صرف فرائڈ کے اس خیال سے بحث کر رہے ہیں کہ جنسی توانائی کو اگر بے باک نہ بہنے دیا جائے تو یہ اپنا رخ تعمیری مقاصد کی طرف موڑ لیتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے فرائڈ کہیں کہیں بعض غلط فہمیوں کا شکار بھی ہوا ہے۔ اس کے متعلق میں نے اپنی کتاب ...... (ISLAM: A CHALLENGE TO RELIGION) میں بحث کی ہے۔

یہ کہ جنسی جذبات کو بے باک چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم مضمحل ہو جاتی ہے اور زندہ اقوام کے ساتھ دوش بدوش چلنے کے قابل نہیں رہتی۔ اس میں وہ توانائیاں نہیں رہتیں جو قوموں کو تمدنی بلندیاں عطا کرتی ہیں۔

(۵)

اس کے بعد ڈاکٹر اَنون، دورِ حاضر کی (نام نہاد) مہذب اقوام کی طرف آتا ہے، اور کہتا ہے کہ انہوں نے بھی جنسی پابندیوں کو اس طرح ڈھیل دینی شروع کر دی ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ اس سے جس قسم کی سوسائٹی متشکل ہوتی ہے اس کے متعلق یہ محقق لکھتا ہے کہ

> ہر لڑکی کو آزادی ہوتی ہے کہ وہ جس قسم کا کھیل کھیلنا چاہے کھیلتی پھرے اور جس نوجوان سے چاہے جنسی اختلاط قائم کرے۔ اس کے لئے فقط ان دونوں کی رضامندی شرط ہے۔ نہ لڑکی پر کسی قسم کی پابندی ہوتی ہے نہ لڑکے پر۔ لڑکپن ہی سے وہ ہر ایسا جنسی کھیل کھیلنے لگ جاتے ہیں جس میں انہیں لذت ملتی ہے۔ مختصراً یہ کہ وہ ایک ایسی فضا میں رہتے ہیں جس میں جنسی حدود و قیود کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور جس میں ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جونہی جنسی خواہش بیدار ہوئی، اسے اسی وقت کسی نہ کسی طرح پورا کر لیا۔ (صفحہ [illegible])

اس کا نتیجہ

یہی ہیں وہ جنسی آزادیاں جن کا متمنی ہمارا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن ان آزادیوں کا نتیجہ کیا ہوتا ہے، اسے خود ڈاکٹر اَنون کی زبان سے سن لیجئے۔ وہ کہتا ہے کہ

> لوگ چاہتے ہیں کہ جنسی پابندیوں کو بھی ہٹا دیا جائے اور قوم کی زندگی ان خوشگوار اثرات سے بھی متمتع ہوتی رہے جو ایک بلند تمدن کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ لیکن انسانی ہیئت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ یہ دونوں آرزوئیں کبھی یکجا نہیں ہو سکتیں۔ یہ ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ جو ذہن ان میں مفاہمت (COMPROMISE) کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی مثال اس احمق بچے کی سی ہے جو چاہتا ہے کہ وہ اپنے کیک کو کھا بھی لے اور پھر وہ سالم کا سالم باقی بھی بچ جائے۔ کوئی انسانی معاشرہ ہو، اسے ان دو راستوں میں سے ایک راہ اختیار کرنی ہوگی۔ یا تو ان صلاحیتوں کو پائندہ رکھنے کی راہ جو اس کے تمدن کو بلند کرتی ہیں اور یا جنسی آزادی کی راہ۔ تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ جو قوم ان دو متضاد چیزوں کو اکٹھا کرتی ہے وہ اپنی تہذیب کو ایک نسل سے بھی زیادہ آگے نہیں لے جا سکتی۔ (صفحہ ۴۱۲)

بنا بریں، کسی سوسائٹی میں تعمیری توانائیاں باقی نہیں رہ سکتیں جب تک اس کی ہر نسل ان روایات میں پرورش نہ پائے جو جنسی اختلاط کے مواقع کو کم از کم حد تک محدود کر دیں۔ اگر وہ قوم

اس قسم کے نظام کو (جس میں جنسی اختلاط کے مواقع قلیل ترین حد تک محدود کر دیئے جائیں) مسلسل آگے بڑھاتی جائے تو وہ شاندار روایات کی حامل رہے گی۔ (ص ۴۱۴)

(۰)

قرآنی تعلیم

ڈاکٹر انون کی تحقیق اور اس کے نتائج کو سامنے رکھنے کے بعد آپ قرآنِ کریم کی طرف آیئے۔ اس ضمن میں، سب سے پہلے اس حقیقت کو سمجھ لیجئے کہ قرآنِ کریم رہبانیت یا خانقاہیت کی تعلیم نہیں دیتا جس میں جنسی جذبات (بلکہ بنیادی زندگی کی ہر کشش اور جاذبیت) کو قابلِ نفرت قرار دیا جاتا ہے۔ وہ جبلی تقاضوں کا پورا کرنا اور دنیاوی جاذبیتوں سے متمتع ہونا، تقاضائے حیات قرار دیتا ہے ان کے لئے البتہ وہ کچھ حدود اور پابندیاں عائد کرتا ہے، اور یہ پابندیاں چونکہ وحی کی رُو سے عائد ہوتی ہیں اس لئے ابدی اور غیر متبدل ہوتی ہیں۔ یعنی یہ پابندیاں نہ معاشرہ کی وضع کردہ ہوتی ہیں اور نہ ہی معاشرہ یا کوئی نظامِ حکومت ان میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ جب جنسی جذبات کو ان حدود کے اندر رہتے ہوئے پورا کیا جائے تو وہ اسے "حفاظتِ فروج" یا (عام الفاظ میں) عصمت، کہہ کر پکارتا ہے۔ وہ عصمت کی حفاظت پر بڑا زور دیتا ہے۔ اس کے نزدیک، جنسی جذبہ کی تسکین کا ایک ہی طریق جائز ہے، اور وہ ہے نکاح۔ لہٰذا، قبل از نکاح جنسی اختلاط، یا نکاح کے بعد عورت کا کسی دوسرے مرد سے یا مرد کا کسی دوسری عورت سے جنسی اختلاط (خواہ وہ ان کی باہمی رضامندی ہی سے کیوں نہ ہو) زنا ہے اور زنا سنگین جرم۔ نکاح کے متعلق یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ یہ ہنگامی اور وقتی جنسی اختلاط کے لئے باہمی رضامندی کا نام نہیں۔ یہ عاقل، بالغ، لڑکے اور لڑکی کا باہمی معاہدہ ہوتا ہے، اس امر کا کہ ہم ان حدود و قیود اور فرائض و حقوق کے مطابق، جنہیں قرآن نے عائد کیا ہے، میاں بیوی کی حیثیت سے باہمی رفاقت کی زندگی بسر کریں گے۔ لہٰذا، اس میں وقتی جنسی اختلاط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا خواہ وہ باہمی رضامندی ہی سے کیوں نہ ہو۔ اس نے نکاح کو مِیثَاقًا غَلِيظًا ..... (۴/۲۱) پختہ عہد کہا ہے۔ بچوں کا کھیل نہیں کہا کہ جب جی چاہا یہ کھیل کھیل لیا اور جب طبیعت اکتا گئی تو اس مٹی کے گھروندے کو پامال کر دیا اور پھر ایک نیا گھر بنا لیا۔ اس نے وحدتِ زوج (MONOGAMY) کو بطور اساسی اصول مقرر کیا ہے، اور تعددِ ازدواج کو محض ایک ہنگامی معاشرتی مشکل کے حل کے لئے جائز قرار دیا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب "طاہرہ کے نام خطوط") اس معاہدہ کو عند الضرورت فسخ کرنے کے لئے، جسے طلاق کہا جاتا ہے اس نے احکام و ضوابط مقرر کئے ہیں۔ یہ نہیں کہ جب جی چاہا، اسے، ایک۔ دو۔ تین کہہ کر توڑ دیا اور دوسری بیوی گھر لے آئے۔

(۰)

عصمت کی تاکید

ہمارے ہاں عام طور پر عصمت کا لفظ لڑکیوں یا عورتوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ لڑکوں یا مردوں کے لئے نہیں، اور باعصمت ہونا لڑکیوں کے لئے ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ لڑکوں کے لئے نہیں۔ قرآنِ کریم کی رُو سے حفاظتِ عصمت، لڑکوں اور لڑکیوں، مردوں اور عورتوں، دونوں کے لئے یکساں طور پر ضروری ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی دونوں کے لئے ایک جیسا جرم، اور اس کی ایک جیسی سزا۔ اس نے جہاں جہاں حفاظتِ عصمت کا حکم دیا ہے وہاں، مردوں کو پہلے مخاطب کیا ہے، عورتوں کو بعد میں۔ اس میں بھی ایک نکتہ پنہاں ہے۔ اگر معاشرہ میں مرد باعصمت ہو جائیں تو عورتیں خود بخود باعصمت ہو جاتی ہیں۔ قرآنِ کریم نے مومنین کی نمایاں خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ (۲۳/۵) وہ اپنی عصمت کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور ابتداء ان الفاظ سے کی ہے کہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۲۳/۱) "ان خصوصیات کے حامل مومن کامیاب ہوں گے"۔ اس سے واضح ہے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے، قوموں کی کامیابی اور ناکامی، ان کے عروج و زوال، ان کی موت و حیات کا دار و مدار جن اسباب و عوامل پر ہے، ان میں حفاظتِ عصمت کو بنیادی دخل ہے۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جس تک ڈاکٹر انون اپنی مدت العمر کے تجارب و تحقیقات کے بعد پہنچا ہے۔ دیکھئے! وہ کیسے واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ

> انسانیت کی پوری تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی اس قسم کی نہیں مل سکتی کہ کوئی ایسی سوسائٹی تمدن کی بلندی تک پہنچ گئی ہو جس کی لڑکیوں کی پرورش و تربیت مطلق و صریح زوجیت کی رعایات میں نہ ہوئی ہو۔ نہ ہی تاریخِ عالم میں کوئی ایسی مثال ملتی ہے کہ کسی قوم میں جنسی اختلاط پر حدود و قیود کی رعایات ڈھیلی پڑ گئی ہوں اور اس کے باوجود وہ قوم اپنی تمدنی بلندی کو قائم رکھ سکی ہو۔ جب عقدِ نکاح، مساوی حیثیت کے فریقین کا عمر بھر کی رفاقت کا عہد ہو اور نہ میاں اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور عورت سے آشنا ہو اور نہ ہی بیوی اپنے میاں کے علاوہ کسی مرد کی شناسا۔ تو اس صورت میں جنسی مواقع اپنی کم از کم حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ اس پر شاہد ہے کہ جن اقوام نے ایسی معاشرتی رسوم اختیار کی تھیں جو زندگی بھر کی جبری رفاقت کے قریب قریب پہنچ گئی ہوں (اس لئے کہ اس وقت تک زندگی بھر کی جبری رفاقت تک کوئی قوم بھی نہیں پہنچ سکی) اور جن اقوام نے جنسی اختلاط کے حدود و قیود کو زیادہ سے زیادہ عرصہ تک قائم رکھا تھا، وہی اقوام تہذیب و تمدن کی اس بلندی تک پہنچ سکی تھیں جہاں تک انسانیت اس وقت تک پہنچ سکی ہے۔ (ص [illegible])

میں اتنا اور عرض کر دوں کہ قرآنِ کریم نے انسان کے جبلی جذبات کی تسکین پر جو پابندیاں عائد کی ہیں تو ان کا نتیجہ یہی نہیں ہوتا کہ اس سے اس معاشرہ یا قوم کو کامیابیاں اور خوشگواریاں حاصل ہو جاتی ہیں۔

ان سے فرد متعلقہ کی ذات میں بھی ایسا استحکام پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ (اسے اُخروی زندگی کی خوشگواریاں یا جنت سے تعبیر کیا جاتا ہے) چونکہ اس خطاب میں میرا موضوع یہ ہے کہ جنسی تعلقات کا قوموں کی موت و حیات پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے میں نے اس گفتگو کو قومی عروج و زوال تک محدود رکھا ہے۔ اس سے فرد کی ذات میں جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا ذکر نہیں کیا۔ یہ ایک الگ موضوع ہے اور جداگانہ بحث کا متقاضی۔ اب پھر اصل موضوع کی طرف آیئے۔

ضبطِ نفس

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ جنسی جذبات کی تسکین کا ایک ہی طریق جائز اور صحیح ہے اور وہ ہے عقدِ نکاح۔ سوال یہ ہے کہ اگر نکاح کے مواقع میسر نہ ہوں تو پھر کیا کیا جائے۔ قرآن کہتا ہے کہ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا ...... (۲۴/۳۳) "جن لوگوں کو نکاح کے مواقع میسر نہ ہوں، وہ ضبطِ نفس (SELF – CONTROL) سے کام لیں"۔ اور یہی ہے اس موضوع کا نکتہ ماسکہ۔ سوال یہ ہے کہ جب ایک نوجوان (لڑکا یا لڑکی) بلوغت کی عمر تک پہنچ جائے تو کیا اس کے بعد اس کے لئے ضبطِ نفس ممکن ہے؟ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ کھانے، پینے کی طرح جنسی جذبہ بھی ایک طبیعی تقاضا ہے، اور دیگر طبیعی تقاضوں کی طرح اس کا پورا کرنا بھی ضروری ہے ــــ لہٰذا، ضبطِ نفس ایک غیر طبیعی یا غیر فطری تقاضا ہے ــــ اور یہی وہ بنیادی غلطی یا غلط فہمی ہے جس کا ازالہ نہایت ضروری ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بھوک، اور پیاس کی طرح جنسی جذبہ بھی ایک فطری جذبہ (NATURAL INSTINCT) ہے لیکن اس میں اور بھوک پیاس وغیرہ میں ایک بنیادی فرق ہے۔ اس فرق کو ایک مثال (بلکہ اپنے روزمرہ کے مشاہدہ) سے سمجھئے۔ آپ کسی کام میں منہمک بیٹھے ہیں۔ آپ کو پیاس لگتی ہے۔ شروع میں آپ کو اس کا خیال نہیں آتا۔ وہ بڑھتی ہے تو اس کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اگر آپ پانی پی لیتے ہیں تو فبہا، ورنہ اس کی شدت بڑھتی جاتی ہے اور اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ آپ کے لئے ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔ اور اگر آپ کو کچھ دنوں کے لئے پانی نہ ملے تو اس سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت بھوک کی ہے۔ اس سے ہم نے دیکھ لیا کہ

(۱) بھوک، پیاس وغیرہ کا تقاضا از خود پیدا ہوتا ہے۔ اس میں کسی کے خیال اور ارادے کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اور

(۲) اگر ان تقاضوں کی تسکین نہ کی جائے تو کچھ وقت کے بعد اس سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ ان کو اضطراری حالت کہتے ہیں۔ اس حالت میں (جان بچانے کی خاطر) قرآنِ کریم میں ان چیزوں کے کھانے کی اجازت دی گئی ہے جو عام حالات میں حرام ہیں۔

لیکن جنسی تقاضا کی کیفیت ان سے بالکل جدا ہے۔ جنسی تقاضا کبھی نہیں اُبھرتا تاوقتیکہ ہم اس کا خیال

نہ کریں۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ جنسی تقاضا کی بیداری اور نمود یکسر ہمارے خیالات

خیال کا دخل

سے وابستہ ہے۔ اگر ہمارا خیال اس طرف منتقل نہ ہو تو یہ تقاضا بیدار ہی نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ اگر جنسی تقاضا کی تسکین نہ کی جائے تو اس سے موت واقع نہیں ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس کی اضطراری حالت کے لئے حرام کو حلال قرار نہیں دیا بلکہ کہا یہ ہے کہ جس کے لئے نکاح ممکن نہ ہو وہ ضبطِ نفس سے کام لے۔ (۲۴/۳۳) اور یہ ضبطِ نفس کچھ بھی مشکل نہیں۔ اس لئے کہ جنسی ...... تقاضا کی بیداری کا مدار انسان کے اپنے خیالات پر ہے اور اس پر کنٹرول رکھنا انسان کے لئے اپنے بس کی بات ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنے خیالات کو بطیبِ خاطر آوارہ نہ بنائے اور

ضبطِ نفس

اس طرف توجہ منعطف نہ کرے تو جنسی جذبہ بیدار ہی نہیں ہوتا۔ باقی رہا یہ خیال کہ اس جذبہ کی تسکین نہ کی جائے تو اس سے اعصابی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، تو یہ بھی غلط ہے۔ اس سلسلہ میں ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ سائیکالوجی کی تحقیقات اس سے مختلف نتیجہ پر پہنچاتی ہیں۔ ان تحقیقات کی رو سے، نہ صرف یہ کہ اس جذبہ پر کنٹرول رکھنے سے کوئی عارضہ لاحق نہیں ہوتا، بلکہ اس سے انسان کی تخلیقی صلاحیتیں (CREATIVE POTENTIALITIES) اس قدر تقویت حاصل کر لیتی ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارا مشاہدہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ جو لوگ پاکیزگیٔ قلب و نگاہ کی زندگی بطیبِ خاطر بسر کرتے ہیں ان کی انسانی صلاحیتیں جگمگا اٹھتی ہیں۔ اعصابی عوارض اس وقت لاحق ہوتے ہیں جب انسان اپنے جنسی جذبات کو اکساتا اور ان میں ہیجان برپا کرتا رہے اور پھر ان کی تسکین کا فطری طریق اختیار نہ کرے۔ اگر انہیں بیدار ہی نہ کیا جائے تو پھر کسی قسم کا عارضہ لاحق نہیں ہوتا، بلکہ انسان کی فکر و عمل کی صلاحیتیں نت نئی توانائیاں حاصل کرتی چلی جاتی ہیں۔

(۲)

تشیعِ فواحش

بات یہاں تک پہنچی ہے۔ حفاظتِ عصمت کے لئے ضبطِ نفس ضروری ہے اور ضبطِ نفس اسی صورت میں ممکن ہے کہ جنسی جذبات کو بیدار نہ ہونے دیا جائے۔ ان میں ہیجان برپا نہ ہونے دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کریم اس کے لئے کیا طریق تجویز کرتا ہے ——— وہ، عام محاورہ کے مطابق چور کی چور کی ماں کو مارنا چاہتا ہے کہ وہ بچہ کو جنم ہی نہ دے۔ اس کے لئے وہ دو بنیادی طریق تجویز کرتا ہے۔ پہلا یہ کہ وہ معاشرہ کا فریضہ قرار دیتا ہے کہ وہ ان تمام دروازوں کو بند کر دے جن سے وہ اسباب، وغیرہ داخل ہوتے ہیں جو جنسی خیالات کے ابھارنے کا موجب بنتے ہیں۔ وہ اسباب و عناصر کو فحشاء یا فواحش کہہ کر پکارتا ہے۔ انہیں آپ "شہوانیات" کہہ لیجئے۔ وہ کہتا ہے کہ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ...... (۷/۳۳) اے رسول! اعلان کر دو کہ میرے رب نے فواحش کو حرام

قرار دے دیا ہے خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی۔" ظاہری فواحش" کے معنی تو واضح ہیں۔ یعنی شہوانیات کی محسوس و مرئی شکلیں۔ لیکن باطنی فواحش سے مراد وہ تمام اسباب و ذرائع ہیں، جن کا اثر انسان کے خیالات پر پڑتا ہو اور اس طرح وہ جنسی جذبات میں ہیجان برپا کرنے کا موجب بنتے ہوں۔ قرآن نے انہیں بھی اسی طرح حرام قرار دیا ہے جس طرح (مثلاً) زنا کو حرام قرار دیا ہے۔ اس نے زنا کو بھی فاحشہ کہہ کر پکارا ہے۔ (۱۷/۳۲) وہ معاشرہ میں فواحش پھیلانے والوں کو سنگین ترین جرم کا مرتکب اور شدید ترین سزا کا مستحق ٹھہراتا ہے، جب کہتا ہے کہ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (۲۴/۱۹) "جو لوگ اسلامی معاشرہ میں فواحش پھیلانا پسند کرتے ہیں اور اس میں لذت لیتے ہیں وہ اس زندگی میں بھی شدید عذاب کے مستحق ہیں اور آخروی زندگی میں بھی۔ فواحش پھیلانا، تمہاری نگاہوں میں کچھ ایسا سنگین جرم نہ ہو لیکن خدا اس سے خوب واقف ہے کہ اس کے نتائج کس قدر مضرت رساں ہوتے ہیں۔" معاشرہ میں عملی بے حیائیوں کا موجب وہی خیالات ہوتے ہیں جو ان فواحش کے عام ہونے سے سینوں میں ابھرتے ہیں۔ مومن ان شہوانیات سے ہمیشہ مجتنب رہتے ہیں۔ (۴۲/۳۷)۔ وہ ان سے کہتا ہے کہ تم ان کے قریب تک نہ جاؤ۔ ان سے اس طرح دور دور رہو جس طرح انسان متعدی امراض سے دور رہتا ہے کہ ان کے قریب جانے سے (INFECTION) کا خطرہ ہوتا ہے۔

تصریحاتِ بالا سے واضح ہے کہ

(۱) جنسی جذبہ خیالات سے برانگیخت ہوتا ہے۔

(۲) قرآنِ کریم ہر اس چیز کے عام کرنے کو جرم قرار دیتا ہے جو ان خیالات کی انگیخت کا موجب بنے۔ ان چیزوں کو وہ فواحش کی جامع اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے۔

ہمارے معاشرہ میں فواحش

یہ ظاہر ہے کہ ہمارے موجودہ معاشرہ میں فواحش کی اشاعت ایک وبائی شکل اختیار کر چکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے! دنیا میں یہ انداز شروع سے چلا آرہا ہے کہ بڑے بوڑھے، تمام خرابیوں کی ذمہ دار نئی نسل کو ٹھہراتے ہیں اور اس طرح خود فریبی سے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دے لیتے ہیں۔ چنانچہ اسی روشِ کہن کے مطابق، سال خوردہ طبقہ اٹھتے بیٹھتے، نوجوان نسل کو کوستا، اور انہیں تمام اخلاقی خرابیوں اور بے حیائیوں کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے، جب ہیضہ وبائی شکل اختیار کر جائے تو ہم ہیضہ کے مریضوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں کہ تم اس مرض میں مبتلا کیوں ہو گئے ہو؛ حالانکہ اس سب وشتم کے سزاوار وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے ہیضہ کے جراثیم کی روک تھام کا انتظام نہ کیا اور اس طرح وہ بے محابا پھیل کر متعدی شکل اختیار کر گئے۔ سوال یہ ہے کہ فواحش کے جراثیم

اس وقت ہمارے معاشرہ میں عام ہو رہے ہیں، انہوں نے کب سے پھیلنا شروع کیا اور اس کے ذمہ دار کون تھے! یہ موضوع اس قدر وسیع ہے کہ اس کی تفصیل کے لئے ضخیم مجلدات درکار ہوں گی - میں اس وقت صرف اتنا عرض کرنے پر اکتفا کروں گا کہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد شعروادب کے نام سے جو لٹریچر تخلیق ہوا، اس کا بیشتر حصہ فواحشات پر مبنی تھا اور وہ بھی بڑی ہی پست سطح کی فواحشات پر۔ قوموں کا دورِ انحطاط، شہوانیات کے لئے بڑا سازگار ہوتا ہے۔ جب کوئی قوم زندگی کے حیات بخش برگ و ساز سے حاصل کردہ حقیقی سرور و انبساط سے محروم ہو جائے تو وہ ذہنی عیش سامانیوں کی بھنگ، اور تخیلاتی لذت اندوزیوں کی افیون پر اتر آتی ہے۔ ہمارے دورِ انحطاط میں یہ بھنگ اور افیون عام ہو رہی تھی، اس لئے اس دور کا پیدا کردہ شعروادب، اس میں ڈوبا ہوا تھا۔

ہماری شاعری

آپ سو، دو سو سال پہلے کی بات چھوڑیئے۔ داغ کا انتقال تو ابھی کل ہوا ہے۔ اس کے ہاں (اور ان جیسوں کے) ہاں جس قدر عریانی اور فحاشی ہے۔ وہ اس قدر حیا سوز ہے کہ کسی شریف محفل میں اس کی مثالیں بھی پیش نہیں کی جا سکتیں۔ میرے لئے ایسا کرنا اور بھی مشکل ہے کیونکہ قارئین میں میری بیٹیاں اور بہنیں بھی ہیں۔ بطور نمونہ آپ اس کا صرف ایک شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

مل جائے پہلے مجھ کو، پھر اس کے بعد اُبھرے

وہ چیز جو اُبھر کر کرتے ہیں چھوٹی ڈرائے!

ہماری شاعری میں غزل، سب سے زیادہ پُرکشش صنفِ سخن ہے۔ غزل کے اقنومِ ثلاثہ کیا ہیں؟ عاشق (یعنی خود جنابِ شاعر) معشوق یا محبوب۔ اور ایک رقیب، جو روسیاہ ہوتا ہے۔ بادنیٰ تعمق یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ جسے محبوبہ یا معشوقہ کہا جاتا ہے وہ اپنی بیوی تو ہو نہیں سکتی۔ لہٰذا، وہ، کسی کی بہو، بیٹی یا بہن ہوگی۔ اس محبوبہ کو عام طور پر دو لباسوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ ایک، بازاری عورت کے روپ میں، جس کے سینکڑوں چاہنے والے ہوتے ہیں۔ وہ ڈرانے کے وقت مٹے ہنسے، ساتھ رقیب کو لئے پھرتی رہتی ہے شروع میں تو اسے صرف اپنے لئے مخصوص کر لینے کا داعیہ ہوتا ہے۔ لیکن جب رفتہ رفتہ جذبات ماند پڑھ جاتے ہیں یا (غالب کے الفاظ میں) قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں، تو مفاہمت کی اس صورت کو غنیمت سمجھا جاتا ہے کہ

تم جاہو غیر سے جو تمہیں رسم و راہ ہو

ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

اس کا دوسرا روپ، ایک ناکتخدا، شریف، پردہ نشین جوان لڑکی کا ہوتا ہے جسے ملنے کے راستے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ان کے ساتھ معاشقہ کی داستانیں ایسی ہوتی ہیں جن کے متعلق ہمارے زمانے کے ایک جواں مرگ شاعر نے خدا سے کہا تھا کہ میرے اس دفترِ عمل کو سرِ محشر نہ کھولنا، کیونکہ

اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

رندِ مشرب شعراء کو چھوڑ یئے، حسرت موہانی جیسا پاک باز، متقی، پرہیزگار، اپنے اس قسم کے معاشقہ کی داستان، اپنی اُسی غزلِ مسلسل میں، محاکاتی انداز میں بیان کرتا ہے جو بڑی مشہور ہے۔ چند شعر آپ بھی سنیئے ؎

چپکے چپکے رات دن، آنسو بہانا یاد ہے ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے!
باہزاراں اضطراب و صد ہزاراں اشتیاق تجھ سے وہ پہلے پہل دل کا لگانا یاد ہے
بار بار اُٹھنا اُسی جانب نگاہِ شوق کا! اور ترا غرفے سے وہ آنکھیں لڑانا یاد ہے
تجھ سے کچھ ملتے ہی وہ بے باک ہو جانا مرا اور ترا دانتوں میں انگلی کا دبانا یاد ہے
کھینچ لینا وہ مرا پردے کا کونہ دفعتہً اور دوپٹے سے ترا وہ منہ چھپانا یاد ہے
جان کر سونا تجھے وہ قصدِ پابوسی مرا اور ترا ٹھکرا کے سر، وہ مسکرانا یاد ہے
غیر کی نظروں سے بچ کر سب کی مرضی کے خلاف وہ ترا چوری چھپے، راتوں کو آنا یاد ہے!
دوپہر کی دھوپ میں میرے بلانے کے لئے وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پاؤں آنا یاد ہے!
شوق میں مہندی کے وہ بے دست و پا ہونا ترا اور مرا وہ چھیڑنا، وہ گدگدانا یاد ہے

اور مقطع سنیئے کہ

باوجود ادعائے اِتقا حسرت مجھے!!
آج تک عہدِ ہوس کا وہ فسانہ یاد ہے

جب حسرت جیسا مدعیٔ زہد و اتقاء، اپنے عہدِ ہوس کے افسانوں کو بایں نمط بیان کرتا ہے تو رندانِ شاہد باز کا کیا ٹھکانہ ؟ عشق و محبت کی ان داستانوں میں، ملاقات کے لئے ہمیشہ رات کا وقت رکھا جاتا ہے۔ شبِ وصال اس کی انتہائی منزل ہوتی ہے۔ اس کا نقشہ جس جس انداز سے کھینچا جاتا ہے، اس سے حیا کی آنکھیں زمین میں گڑ جاتی ہیں۔ اس رات شاعر کچھ اس قسم کی کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے کہ

وہ جلد آئیں گے یا دیر میں، خدا جانے بچھاؤں پھول یا کلیاں بچھاؤں بستر پر

غالب جیسا فکرِ بلند کا حامل شاعر بھی، پری پیکرانِ بنارس کو "بہارِ بستر و نوروزِ آغوش" کہہ کر پکارتا ہے۔ بات آگے بڑھتی ہے تو کہتا ہے کہ

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہ تھا!
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

اور تو اور، ریاض خیرآبادی جیسا خضر صورت، تہجد گذار بھی ان راتوں کا ماجرا کچھ اس طرح بیان کرتا ہے کہ

شبِ وصل چھیڑا تو جھنجھلا کے بولے
یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟

وہ "یہ کیا کر رہے ہو" کو بلا تفصیل نہیں چھوڑتا۔ بلا حجاب کہتا ہے کہ

یار کے بندِ قبا آہستہ وا کرنے کو تھے !!
چوری چوری کچھ نہ پوچھو رات کیا کرنے کو تھے

ریاض تو "بندِ قبا وا کرنے" پر اکتفا کرتا ہے، نظیر اکبر آبادی لگی لپٹی رکھے بغیر بہت دُور آگے تک پہنچ جاتا ہے لیکن میں اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا حیا بڑی سختی سے عناں گیر ہو جاتی ہے۔

مجھے ندامت ہے عزیزانِ من! کہ مجھے سرِ محفل اس قسم کے اشعار پیش کرنے پڑ رہے ہیں۔ لیکن کیا کیا جائے ـــــ بنتی نہیں ہے مینا و ساغر کہے بغیر۔

جب وہ محبوب غیر کے ہاں کی شب بسری کے بعد واپس آتا ہے تو وہ ماجرائے شب کے متعلق غلط بیانی سے کام لینا چاہتا ہے لیکن اُسے یہ کہہ کر چپ کرا دیا جاتا ہے کہ اس انکار و اخفار سے کیا حاصل؟ ؎

یہ اڑی اڑی سی رنگت یہ کھلے کھلے سے گیسو
تری صبح کہہ رہی ہے تری رات کا فسانہ

یہاں تک ہی نہیں۔ اس سے دوٹوک الفاظ میں پوچھا جاتا ہے کہ

کس کے آغوش نے کھینچا ہے تجھے تنگ آج تیری تصویر سے ملتی نہیں صورت تیری

اُس پر ندامت طاری ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے، خیر کوئی بات نہیں ؎

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

وہ اگر پردہ نشین ہے اور لپٹی لپٹائی گھر سے نکلتی ہے تو پیچھے سے آواز دی جاتی ہے کہ

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

ہم انگلستان کے اس قانون کو بڑی حیرت اور انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس کی رُو سے انہوں نے اختلاطِ ہم جنسی (HOMO-SEXUALITY) کو قانوناً جائز قرار دے دیا۔ لیکن ہمارے ہاں یہ روش بڑی قدیم ہے اور اسے بڑے فخر سے بیان کیا جاتا ہے۔ اُردو شاعری کی ندی کا سرچشمہ فارسی شاعری ہے اور فارسی شاعری کی ساری عمارت امرد پرستی پر استوار ہوتی ہے۔ وہاں محبوب ہوتے ہی "مُغ بچے" ہیں۔ وہاں سے یہ جراثیم ہماری شاعری میں بھی در آئے ...۔ چنانچہ میر تقی جیسا صاحبِ سوز و گداز، اُسی "عطار کے لونڈے" سے دوا لیتا ہے جس نے اسے بیمار کر رکھا ہے۔

غالب کے ہاں، اس باب میں عمر کی بھی کوئی قید نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ

سبزۂ خط سے ترا کاکلِ سرکش نہ دبا
یہ زمرد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا

(٠)

میں نے اپنے ہاں کی صدیوں پر پھیلی ہوئی فحاشیات کا یونہی سرسری سا ذکر کیا ہے، اور وہ بھی اشارات و کنایات میں۔ اگر میں اس کی دیگر اصناف (افسانے، ڈرامے وغیرہ) کا بھی ذکر کرتا، تو ہماری اس شستہ و شائستہ محفل کی فضا تعفّن سے بھر جاتی۔ بہرحال، یہ ہے ہمارا وہ ادبی ترکہ اور سرمایہ جسے ہم نے اپنی نئی نسل کو دیا ہے۔

اقبالؒ نے ہماری اس شاعری کے انداز کو بدلا اور سنجیدہ طبائع کو قدرے اطمینان ہوا کہ قصرِ فحاشی کا یہ دروازہ (یعنی ہیجان خیز شاعری) بالکل بند نہیں ہوا، تو کم از کم نیم وا تو ہوا ہے، لیکن ہماری بدقسمتی سے ان کی جگہ ان ذرائع ابلاغ اور اسبابِ نشر و اشاعت نے لے لی جن کے راستے فحاشی سیلاب کی طرح امنڈ کر آگئی ——— یعنی سینما۔ ریڈیو۔ ٹیلی ویژن وغیرہ۔

قرآن کریم نے کسی دور کے شر کو مُسْتَطِيْرًا کہہ کر پکارا ہے۔ (۷۶/۷) یعنی وہ شر جو اڑ کر دوسروں تک پہنچ جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے شاید ہمارے ہی دور کا شر مراد ہے کہ اس سے آپ کتنا ہی بچنا چاہیں، یہ آپ تک اُڑ کر پہنچ جاتا ہے۔ آپ سوچئے کہ ہماری نئی نسل کے نوجوان جو اس فضا میں پرورش پائیں، وہ فحاشیات کے ان جراثیم سے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں؟ یوں تو ہمارا سارا ہی قدامت پرست طبقہ ان نوجوانوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا رہتا ہے، لیکن مذہب پرست طبقہ ان بیچاروں کو جینے ہی نہیں دیتا۔ وہ معاشرہ کی ساری بدنہادی اور بے راہ روی کا ذمہ دار انہی کو ٹھہراتا ہے۔ اور اٹھتے بیٹھتے کہتا رہتا ہے کہ مغرب کی تعلیم نے انہیں تباہ کر دیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے اسکولوں اور کالجوں کے غلط نظام و نصابِ تعلیم کا اس میں بڑا حصہ ہے لیکن ہمارے

دار العلوموں کی تعلیم

مکتبوں اور دار العلوموں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اس میں جنسی جذبات کی برانگیختگی کا جس قدر سامان ہوتا ہے، اس کا آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ آپ فقہ کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھئے، اس میں زن و مرد کے تعلقات کے سلسلہ میں جو مسائل ملیں گے، ان کی عریانیت ناقابلِ برداشت ہوگی۔ میں نے اپنے ہاں کی شاعری کی تو بعض مثالیں، بصد معذرت پیش کر دی ہیں، کتبِ فقہ کے ان مسائل کا اشارۃً اور کنایۃً ذکر کرنا بھی

---

(۱) میرا مطلب یہ نہیں کہ شعر و ادب کی رنگینیوں اور رعنائیوں کو دھو، نچوڑ کر انہیں وعظ بنا دیا جائے اور شعر کچھ اس قسم کے کہے جانے لگیں کہ

تو بھلا ہے تو بُرا ہو نہیں سکتا اے ذوقؔ ہے بُرا وہ ہی کہ جو تجھ کو بُرا جانتا ہے
اور گر تو ہی بُرا ہے تو وہ سچ کہتا ہے کیوں بُرا کہنے کو تو اس کے بُرا مانتا ہے!

میرا مطلب یہ ہے کہ شعر و ادب کو عریانیت، اور فحاشیت سے پاک اور صاف کر کے، اسے ایسے حسین اور وقیع انداز میں پیش کیا جائے جس سے تولیدی (جنسی) جذبات میں ہیجان خیزی کے بجائے تخلیقی صلاحیتوں کی نمود ہو۔ اقبالؒ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

میرے لئے ممکن نہیں۔ آپ زیادہ نہیں تو کم از کم ہدایہ یا دُرِّ مختار میں باب الغسل یا باب الصوم کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ ان میں "مسائل" کے نام سے کیا کچھ لکھا ملتا ہے۔ اور وہ نوجوان طالب علموں کے جنسی جذبات میں (جو بالعموم غیر شادی شدہ ہوتے ہیں) کس قدر ہیجان برپا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے۔

فقہ سے آگے بڑھ کر قرآن و حدیث کی طرف آئیے۔ اس سلسلہ میں ان دارالعلوموں میں کس قسم کی تعلیم دی جاتی ہے اس کا اندازہ ایک مثال سے لگایا جا سکتا ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ہے: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ (۲/۲۲۳)
اس کا عام ترجمہ یہ کیا جاتا ہے "تمہاری بیویاں تمہارے لئے بمنزلہ کھیتی کے ہیں۔ تم اپنی کھیتی میں جس طرح جی چاہے جاؤ۔"[1] صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "بعض آدمی عورتوں سے اغلام کیا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔" اس سے یہ بحث چل پڑی کہ بیوی کے ساتھ وطی فی الدبر (مقعد میں جماع) جائز ہے یا نہیں۔ علامہ بدرالدین عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بخاری کی شرحیں لکھی ہیں۔ انہوں نے بخاری کی اس تفسیر پر بڑی تفصیل بحث کی ہے۔ اور اس باب میں مختلف ائمہ کے اقوال اور مسالک بیان کئے ہیں۔ مثال کے طور پر امام مالکؒ کے متعلق علامہ عینی نے لکھا ہے:۔

> محمد بن سعد نے ابو سلیمان جوزجانی سے نقل کیا ہے میں امام مالکؒ بن انس کی خدمت میں حاضر تھا۔ ان سے مجامعت فی الدبر کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر مارا کہ ابھی تو میں اس سے غسل کر کے آ رہا ہوں۔ ایسے ہی ابن القاسم نے ان سے نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ فرماتے تھے کہ میں نے کسی ایسے آدمی کو نہیں پایا جس کی دین کے بارے میں پیروی اور اقتدا کر سکوں اور وہ اس کے حلال ہونے کے بارے میں شک کرتا ہو۔ یعنی عورت کے ساتھ دُبر میں جماع کرنے کے بارے میں۔

یہ ہے ایک مثال قرآنی آیات کی اس تفسیر کی جو احادیث کی رُو سے ہمارے دارالعلوموں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ آپ سوچئے کہ جب ان درسگاہوں کے نوجوانوں میں ایسی تفسیروں پر بحثیں ہوتی ہوں گی تو ان سے ان کی جذباتی کیفیت کیا ہوتی ہو گی؟ ایسی روایات پر بحثیں جن میں (مثلاً) کہا گیا ہے کہ

> رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ کی سو (یا ننانوے) بیویاں تھیں۔ ایک روز انہوں نے کہا کہ آج رات کو میں ان عورتوں کے پاس جاؤں گا اور وہ سب ایک ایک شاہسوار پیدا کریں گی جو خدا کی راہ میں جہاد کریں گے۔ ان کے ہم نشین نے کہا کہ انشاء اللہ کہو مگر انہوں نے ایسا نہ کہا تو ان میں سے صرف ایک عورت حاملہ ہوئی سو وہ بھی آدھا بچہ جنی۔

۱۔ اس آیت کا صحیح مفہوم، مطالب الفرقان جلد سوم میں دیکھئے۔

قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ کہہ لیتے تو (سب عورتوں کے بچے پیدا ہوتے اور) بے شک وہ سب سوار ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔
(بخاری - کتاب الجہاد)

—————(۰)—————

مرحوم مودودی صاحب کی تعلیم

یہ ہماری قدامت پرست درس گاہوں میں دی جانے والی تعلیم کی چند ایک مثالیں ہیں۔ ہمارے کالجوں کے طلبا کا ایک کثیر طبقہ جماعت اسلامی کے زیر اثر ہے۔ آپ دیکھئے کہ ان کے ہاں جنسیات کے سلسلہ میں کس..... قسم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مرحوم مودودی صاحب بڑی شدومد سے اس کا پرچار کرتے تھے کہ جنگ میں گرفتار شدہ عورتوں کو لونڈیاں بنایا جا سکتا ہے۔ وہ اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:-

حکومت کو اختیار ہے کہ چاہے (جنگ میں گرفتار شدہ عورتوں کو) رہا کر دے۔ چاہے ان سے فدیہ لے، چاہے ان کا تبادلہ ان مسلمان قیدیوں کے ساتھ کرے جو دشمن کے ہاتھ میں ہوں۔ اور چاہے انہیں سپاہیوں میں تقسیم کر دے اور سپاہی انہیں اپنے استعمال میں لائیں۔ (تفہیم القرآن - جلد اول - پہلا ایڈیشن - صفحہ ۳۴۰)

اس بحث کو انہوں نے اپنی کتاب، تفہیمات حصہ دوم میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے جس کا ملخص یہ ہے:-

(۱) لونڈیوں سے بلا نکاح جنسی اختلاط کیا جا سکتا ہے۔
(۲) لونڈیوں کی تعداد پر کوئی قید نہیں۔
(۳) ان کے مالک جب چاہیں انہیں دوسروں کی طرف منتقل بھی کر سکتے ہیں اور فروخت بھی کر سکتے ہیں۔ (تفہیمات - حصہ دوم - صفحہ ۳۲۴ - ۲۹۰)

(ضمناً) آپ کو یاد ہوگا کہ پاکستان کی مجلس دستور ساز کے ۱۹۷۳ء کے موسم بہار کے سیشن میں، جمعیت العلماء اسلام کے رکن اسمبلی، مولانا نعمت اللہ صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ

غلامی کو منسوخ کرنا خلاف اسلام ہے۔ جو شخص ایک سے زیادہ بیویوں کی استطاعت نہ رکھتا ہو، ایسا انتظام کیا جائے کہ وہ کم از کم ایک لونڈی رکھ سکے۔
(بحوالہ پاکستان ٹائمز - یکم مارچ ۱۹۷۳ء)

ہاں، تو بات یہ ہو رہی تھی کہ مرحوم مودودی صاحب کے ہاں سے نوجوانوں کو کس قسم کی تعلیم ملتی ہے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ اگر ایک نوجوان کی شادی کا انتظام نہ ہو سکتا ہو۔ اس کا شباب عروج

---

1) تفصیلی بحث آپ کو ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے شائع کردہ کتاب "قتل مرتد اور غلام اور لونڈیاں" میں ملے گی۔

پھر تو کیا وہ زنا سے بچنے کے لئے "اپنے ہاتھ سے کام لے سکتا ہے"؟ قبل اس کے کہ ہم مودودی مرحوم کا جواب آپ کے سامنے لائیں، آپ کو یاد دلا دینا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس سوال کا جواب پہلے ہی سے موجود ہے۔ اور وہ یہ کہ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا..... (۲۴/۳۳) "جو لوگ نکاح کی صورت نہ پاسکیں وہ ضبطِ نفس سے کام لیں۔" اس سوال کے جواب میں مرحوم مودودی صاحب نے لمبی چوڑی بحث کے بعد لکھا ہے کہ

> ان دلائل کی بنا پر صحیح مسلک یہی ہے کہ یہ فعل (یعنی MASTERBATION مرتب) حرام ہے۔ البتہ عقل یہ حکم لگاتی ہے کہ اس کی حرمت زنا اور عمل لوط اور وطی بہائم کی بہ نسبت کم تر ہے۔ اس لئے اگر کسی شخص کو ان گناہوں میں سے کسی ایک میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو اور اس سے بچنے کے لئے وہ اپنے جوشِ طبع کی تسکین اس ذریعے سے کر لے تو اس کے حق میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ "شاید اللہ تعالے اسے سزا نہ دے"۔
> (رسائل و مسائل۔ جلد دوم۔ ص ۲۰۲)

یعنی یہ فعل تو حرام ہے لیکن عقل یہ حکم لگاتی ہے کہ........

اس مقام پر آپ کے دل میں یہ سوال اُبھرتا ہوگا کہ مودودی مرحوم نے سورۂ نور کی اس آیت کے متعلق بھی کچھ کہا ہے جس میں اللہ تعالے نے ایسی حالت کے لئے صرف ایک ہی صورت بتائی ہے اور وہ یہ کہ ضبطِ نفس سے کام لے۔ مرحوم نے اس آیت کو لکھا تو ہے لیکن اس کے ترجمہ میں اپنے مطلب کے لئے گنجائش نکال لی ہے۔ انہوں نے آیت مع ترجمہ اس طرح لکھی ہے:۔

> وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ...... (النور۔ ۴)
>
> اور چاہئے کہ وہ لوگ باعفت رہنے کی کوشش کریں جو نکاح کا موقعہ نہیں پاتے یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔ (ایضاً)

شاہ رفیع الدینؒ اس کا ترجمہ کرتے ہیں "اور چاہیئے کہ پاکدامنی کریں وہ لوگ کہ نہیں مقدور پاتے نکاح کا"۔ مولانا محمود الحسنؒ کا ترجمہ یہ ہے۔ "اور اپنے آپ کو تھامتے ہیں جن کو نہیں ملتا سامان نکاح کا"۔ یعنی اللہ تعالے کا حکم ہے کہ ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ "پاک دامن رہیں۔ اپنے آپ کو تھامے رہیں۔ ضبطِ نفس سے کام لیں اور مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ باعفت رہنے کی کوشش کریں۔ یعنی وہ باعفت رہنے کی کوشش کریں.................. اس میں کامیاب ہو جائیں تو فبہا ورنہ اس عمل کو اختیار کر لیں جسے خود مودودی صاحب کے الفاظ میں خدا نے حرام قرار دیا ہے۔

یہ تو اس صورت میں ہوا جب اس نوجوان کو کوئی عورت نہ مل سکے۔ لیکن اگر عورت میسّر آسکے مگر اس سے "شرعی نکاح" کی صورت ممکن نہ ہو، تو پھر کیا کیا جائے! پھر عارضی نکاح کر لیا جائے جسے متعہ کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

فرض کیجئے کہ ایک جہاز سمندر میں ٹوٹ جاتا ہے اور ایک مرد اور عورت کسی تختے پر بہتے ہوئے کسی ایسے سنسان جزیرے میں جا پہنچتے ہیں جہاں کوئی آبادی موجود نہ ہو۔ وہ ایک ساتھ رہنے پر بھی مجبور ہیں اور شرعی شرائط کے مطابق ان کے درمیان نکاح بھی ممکن نہیں۔ ایسی حالت میں ان کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ باہم خود ہی ایجاب و قبول کر کے اس وقت تک کے لئے عارضی نکاح کر لیں جب تک وہ آبادی میں نہ پہنچ جائیں، یا آبادی ان تک نہ پہنچ جائے۔ کم و بیش ایسی ہی اضطراری صورتیں اور بھی ہو سکتی ہیں۔ متعہ اسی طرح کی اضطراری حالت کے لئے ہے۔ (ترجمان القرآن۔ اگست ۱۹۵۵ء)

یعنی مودودی مرحوم اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ جنسی جذبہ پر کنٹرول بھی کیا جا سکتا ہے۔ شہوت رانی کے لئے وہ کبھی استمناء بالید (MASTERBATION) جیسے فعل حرام کی گنجائش پیدا کر لیتے ہیں اور کبھی متعہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے صرف کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق کہا تھا کہ اضطراری حالت میں حرام چیز کے کھانے کی اجازت ہے۔ جنسی جذبہ کی تسکین کے لئے اس نے کہیں ایسا نہیں کہا — لیکن مودودی صاحب اضطراری حالتوں میں اس جذبہ کی تسکین کی صورتیں تجویز فرما رہے ہیں اور انہیں جائز قرار دے رہے ہیں۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) خدا کو اس کا علم نہیں تھا کہ جنسی جذبہ کی صورت میں اضطراری کیفیت پیدا ہو سکتی ہے اس لئے اس نے اس کے مداوا کی کوئی شکل نہ بتائی۔ یہ کمی مودودی صاحب نے پوری کر دی۔ (معاذ اللہ)۔

اور آگے پڑھئے

یہ ہے وہ تعلیم جو ہمارے ان نوجوانوں کو دی جاتی ہے جو کالجوں کی جراثیم آلودہ فضا سے بچنے کے لئے مذہب کی مقدس اور پاکیزہ آماجگاہ میں پناہ لینے کے لئے آتے ہیں۔ لیکن مودودی مرحوم اسی پر اکتفا نہیں کرتے۔ جنسیات کے سلسلہ میں وہ ان نوجوانوں کو اور بھی بہت کچھ بتاتے ہیں (مثلاً) ایک مرد، بیک وقت چار عورتوں سے شادیاں بلا تحاشا کر سکتا ہے۔ پھر ان میں سے جسے جس وقت جی چاہے ایک، دو، تین کو طلاق دے سکتا اور اس کی جگہ کوئی دوسری عورت حبالۂ نکاح میں لا سکتا ہے (THE MAKING OF HUMANITY) کے مشہور مصنّف، رابرٹ بریفا نے عورتوں کے متعلق ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ہے (THE MOTHER) اس میں وہ ایک کرد کے متعلق لکھتا ہے کہ اس نے عمر بھر، بیک وقت ایک ہی عورت سے شادی کی۔ لیکن وہ قریب چالیس عورتیں بدل چکا تھا۔ ہمارے ارباب شریعت کے نزدیک اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔[1] مودودی مرحوم نے عائلی قوانین کی جو اس قدر مخالفت کی تھی تو وہ اسی بنا پر تھی کہ حکومت جنسی آزادی پر اس قسم کی پابندیاں کس طرح عائد

---

[1] نکاح و طلاق۔ تعدّد ازدواج۔ متعہ وغیرہ کے متعلق میری کتاب مطالب الفرقان جلد سوم دیکھئے۔

کرسکتی ہے تو انہی پابندیوں میں ایک یہ بھی تھی کہ نابالغ لڑکی کے ساتھ شادی نہیں کی جاسکتی۔ اس کے خلاف مودودی مرحوم کا ارشاد یہ تھا کہ

> کم سنی کی عمر میں نہ صرف لڑکی کا نکاح کردینا جائز ہے بلکہ شوہر کا اس کے ساتھ خلوت کرنا بھی جائز ہے۔ (ترجمان القرآن۔ بابت اکتوبر ۱۹۷۹ء
> بحوالہ طلوع اسلام۔ مارچ ۱۹۷۶ء)

کم سن بچیوں کے ساتھ خلوت! (معاذ اللہ)۔ یہ حضرات اس کی تائید میں یہ سند لایا کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے حضرت عائشہؓ سے چھ سال کی عمر میں نکاح کیا تھا اور رخصتی کے وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ میں نے بدلائل و اسناد یہ ثابت کیا کہ یہ دشمنوں کی طرف سے وضع کردہ افسانہ ہے۔ حضرت عائشہؓ کی عمر بوقتِ نکاح، سترہ اور انیس سال کے درمیان تھی۔ (مجھ پر جو کفر کا فتویٰ لگایا گیا تھا، اس کی ایک بنیاد یہ بھی تھی کہ میں نے ایسا کیوں کیا ہے جس سے بخاری کی ایک روایت پر زد پڑتی ہے۔ یعنی حضورؐ رسالتمآبؐ کی ذاتِ اقدس پر زد پڑتی ہے تو کچھ مضائقہ نہیں، بخاری کی روایت پر زد نہیں پڑنی چاہیئے۔ یا للعجب!)۔

قرآنِ کریم نے جنت کا تصور بڑا بلند اور لطیف و نظیف پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بیان تمثیلی ہے۔ لیکن ان حضرات کے نزدیک اس کی فضا بھی جنسیات سے مملو ہے۔ مودودی مرحوم اپنی تفسیر تفہیم القرآن کی پانچویں جلد میں لکھتے ہیں:۔

> دنیا کی زندگی میں کوئی عورت جوان مری ہو یا بوڑھی ہو کر، آخرت میں یہ سب نیک خواتین جنت میں داخل ہوں گی تو نوجوان اور کنواری بنادی جائیں گی۔ (ص ۲۶۸)

جنت کی حوروں کے متعلق ارشاد ہے کہ

> کفار کی وہ لڑکیاں جو سنِ رشد کو پہنچنے سے پہلے مر گئی ہوں، انہیں حوریں بنا دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ نوخیز لڑکیاں رہیں گی۔ (تفہیم القرآن۔ جلد چہارم۔ ص ۲۸۷)
> (نیز۔ ایشیا۔ ۱۴ ۶/۷۹)

> یہ حوریں، بیویوں کے علاوہ ہوں گی۔ بیویاں، جنتی مردوں کے ساتھ محلات میں رہیں گی لیکن جب وہ پکنک منانے کے لئے باہر جائیں گے تو ان کی سیرگاہوں میں جگہ جگہ خیمے لگے ہونگے جن میں حوریں ان کے لئے لطف و لذّت کا سامان فراہم کریں گی۔
> (تفہیم القرآن۔ جلد پنجم۔ ص ۳۵)

یہ ہے وہ جنت جس کی جھلک دکھا کر، نوجوانوں کو "مائل بہ اسلام" کیا جاتا ہے!

یہ حضرات، نوجوانوں کی جنسی بے راہ روی کا سبب، عورتوں کی آزادی کو دیتے ہیں اور اتنا نہیں سوچتے کہ اس کا بنیادی سبب وہ تعلیم ہے جو انہیں مذہب کے نام سے دی جاتی ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، جنسی جذبہ کا تحرک خیالات سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر نوجوانوں کے خیالات میں پاکیزگی پیدا کردی جائے تو جنسی بے راہ روی کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔

(٠)

میں کہہ یہ رہا تھا کہ ہمارے سکولوں اور کالجوں کے نوجوانوں کو جو مشرقی ادب پڑھنے کو دیا جاتا ہے، وہ جنسیات سے بھرپور ہوتا ہے، اور جو لٹریچر مغرب سے اُمنڈ کر آتا ہے، وہ بھی فحاشیات سے لبالب بھرا ہوتا ہے۔

ہمارے مکتبوں اور دارالعلوموں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے، اس میں بھی جنسی جذبات کی برانگیختگی کا کافی سامان ہوتا ہے۔ اور

جو نوجوان ماڈرن اسلام کی طرف آتے ہیں، انہیں بھی اسی قسم کی ہیجان خیز تعلیم دی جاتی ہے۔

اور اس کے بعد ہر شخص نالاں ہے کہ یہاں فحاشی عام ہو رہی ہے۔ اگر ان حالات میں فحاشی عام نہ ہو تو اور کیا ہو؟ پارسائی عام ہو!!

جو قوم اس قسم کی جنس آلودہ مسموم فضا میں صدیوں سے زندگی بسر کر رہی ہو، اس کی کیفیت کیا ہو جاتی ہے، اس کے متعلق ڈاکٹر الوِن کی تحقیقات کے نتائج غور سے سننے کے قابل ہیں۔ وہ کہتا ہے:-

> اس قوم میں علم و بصیرت کی قوت تو ہوتی ہے لیکن وہ اپنے معاملات میں اس سے راہنمائی حاصل نہیں کرتی[1]۔ وہ واقعات کے اسباب و علل (CAUSES) کے متعلق کبھی تحقیق نہیں کرتی۔ جو کچھ ہوتا ہے اسے اسی طرح تسلیم کرتی چلی جاتی ہے۔ زندگی سے متعلق تمام معاملات کے بارے میں ان کی بندھی بندھائی رائے ہوتی ہے (جس کے مطابق وہ چلتے چلے جاتے ہیں) وہ ہر غیر معمولی واقعہ کو جو ان کی سمجھ میں نہ آئے کسی عجیب و غریب قوت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اس قوت کا مظہر کبھی پتھروں کو سمجھا جاتا ہے اور کبھی درختوں کو۔ کبھی ایسے حیوانات کو جو انہیں محیر العقول نظر آئیں اور کبھی دیگر ایسی اشیاء کو جن کی ماہیت ان کی سمجھ میں نہ آئے۔ جس شخص کی پیدائش یا زندگی میں انہیں کوئی غیر معمولی بات نظر آئے وہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ اس قوت کا مالک ہے۔ حتیٰ کہ اس کی موت کے بعد بھی اسے اس قوت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ (اس کے بعد ڈاکٹر الوِن نے ان تمام توہم پرستیوں کی تفصیل بتائی ہے جو نذر نیاز، گنڈہ، تعویذ، اکابر پرستی اور قبر پرستی کی صورت میں ایسی قوم سے ظہور میں آتی ہیں۔ اس کے بعد وہ لکھتا ہے)۔ اس قسم کے معتقدات، اس قوم میں نسلاً بعد نسلٍ متوارث چلے آتے ہیں، زمانہ کا امتداد ان پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہوتا۔ اس معاشرہ میں انسان پیدا ہوتے ہیں، اپنی خواہشات کو پورا کرتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ اور جب ان کی لاشوں کو تہِ خاک دبا دیا

---

[1] دیکھئے یہ الفاظ کس طرح ترجمہ ہیں قرآن کی اس آیت کا کہ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا۔ ان کے پاس سمجھنے کی قوت تو ہوتی ہے لیکن وہ اس سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔

جاتا ہے تو وہ نسیاً منسیاً ہو جاتے ہیں۔ یہ انسان نہیں ہوتے بلکہ حیوان ہوتے ہیں۔ (۲۶/۱۲)[1]

آپ نے دیکھ لیا نقشہ اس سوسائٹی کا جس میں جنسی اختلاط کے مواقع زیادہ سے زیادہ ہوتے ہیں؟ کیا مسلمانوں کی صدیوں سے یہی حالت نہیں چلی آرہی اور کیا آج بھی ہماری یہی حالت نہیں؟ کیا یہ نتیجہ نہیں جنسی اختلاط کے مواقع کی ان وسعتوں کا جو ہمارے خود ساختہ مذہبی تصوّرات نے عطا کر رکھی ہیں؟

جب ہماری قوم کی جنسی زندگی قرآنی سواحل میں گھری ہوئی تھی تو یہ ساری دنیا پر چھا گئی تھی، اور جب ملوکیت نے اسے بدلگام کر دیا اور شریعت کے نام پر وہ سب کچھ ہونے لگا جسے قرآن رد کرنے کے لئے آیا تھا تو ان کی ساری توانائیاں ضائع ہو گئیں۔ ان میں پھر نہ فکر کی صلاحیت رہی نہ عمل کی۔ اور یہی حالت اس وقت تک چلی جا رہی ہے۔

(۰)

حرفِ آخر

آخر میں، میں اپنی قوم کے نونہالوں کو براہِ راست مخاطب کرنا، اور ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ اس میں شبہ نہیں کہ ہماری فضا ان جراثیم سے بھرپور ہو چکی ہے جو جنسی جذبات میں ہیجان پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ لیکن آپ یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ جنسی جذبات از خود کبھی نہیں ابھرتے۔ یہ انسان کے اپنے خیالات سے ابھرتے ہیں۔ یعنی یہ اس وقت ابھرتے ہیں جب آپ خود انہیں ابھارنا چاہیں۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ فطرت کی طرف سے انسان کو ایسی بے پناہ قوّتِ ارادی عطا کی گئی ہے کہ اس کے تمام خیالات اور خواہشات اس کے تابع رہ سکتے ہیں۔ لہٰذا، آپ یہ نہ دیکھئے کہ فضا کس قدر زہر آلود ہے۔ آپ اپنی قوّتِ ارادی سے کام لیجئے اور اپنے خیالات کو اس فضا سے متاثر نہ ہوتے دیجئے۔ جنسی جذبہ کس طرح خیالات کے تابع رہتا ہے، اسے اس مثال کی رُو سے سمجھئے جسے اس سے پہلے بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ ایک آوارہ، بدنہاد، جنسیات میں ڈوبا ہوا نوجوان ہے جو کسی لڑکی پر بھی ہاتھ ڈالنے سے نہیں چوکتا۔ اس کی ایک ہمشیرہ ہے، نوجوان۔ بڑی خوبصورت، ناکتخدا۔ وہ دونوں تنہا ایک کمرے میں رہتے ہیں۔ وہیں راتوں کو تنہا سوتے ہیں۔ لڑکی ہونے کی جہت سے، اس لڑکی اور ان لڑکیوں میں کوئی فرق نہیں جن کے پیچھے یہ مارا مارا پھرتا رہتا ہے۔ لیکن وہ اس لڑکی کی طرف جو اس کی بہن ہے، کبھی نگاہِ بد سے دیکھتا تک نہیں۔ وہ اس کا تصوّر تک بھی نہیں کر سکتا۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ بچپن سے اس کے کان میں یہ آواز پڑتی چلی آئی ہے کہ بہن کے ساتھ جنسی تعلق جائز نہیں۔ بچپن سے اس کے کان میں یہ آواز پڑتی چلی آرہی ہے اور اس نے ایک عقیدہ کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس لڑکی ....

---

[1] یہ بھی قرآن ہی کی آیت کا ترجمہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ یتمتعون و یاکلون کما تاکل الانعام..... (۴۷/۱۲) وہ سامانِ زیست سے اسی طرح کھاتے پیتے ہیں جس طرح حیوان۔

(یعنی بہن) کے حوالہ سے جنسی جذبہ کا خیال تک اس کے دل میں نہیں ابھرتا — ساری عمر نہیں ابھرتا[1]
یہ چیز ہمارے معاشرہ تک ہی محدود نہیں۔ یورپ کا معاشرہ جس میں جنسیات، حیوانیت سے بھی پست سطح پر پہنچ چکی ہے، وہاں بھی اس کی غیر شعوری تعلیم و تربیت کا نتیجہ ایسا ہی مرتب ہوتا ہے۔ کچھ سال اُدھر کا ذکر ہے اخبارات میں امریکہ کے ایک جوڑے کا قصہ شائع ہوا تھا جو آٹھ دس سال سے میاں بیوی کی حیثیت سے خوش و خرم رہتا تھا۔ ان کے نہایت خوبصورت دو تین بچے بھی تھے کہ ایک دن اتفاقاً ان کے علم میں یہ بات آئی کہ وہ بہن بھائی ہیں۔ ہوا یوں کہ وہ ہنوز بچے ہی تھے کہ لڑائی کے دوران انگلینڈ میں ان کے ماں باپ مارے گئے۔ لڑکے کو کینیڈا کا کوئی فوجی اپنے ساتھ لے گیا اور لڑکی کو ایک امریکن اپنے ساتھ لے آیا۔ دونوں بہن بھائی ایک دوسرے سے بالکل بے خبر تھے۔ بھائی کو اس کا علم نہیں تھا کہ اس کی کوئی بہن بھی ہے، اور بہن یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا کوئی بھائی ہے۔ اتفاق سے وہ لڑکا امریکہ جا پہنچا اور یونہی اس کی ملاقات اس لڑکی سے ہوگئی (جو اب جوان ہو چکی تھی) اور اس طرح ان دونوں کی شادی ہوگئی اور برسوں تک انہیں اپنی سابقہ رشتہ داری کا علم نہ ہو سکا۔ کیونکہ بچپن کا کوئی واقعہ انہیں یاد نہیں تھا۔

جس دن انہیں معلوم ہوا کہ وہ بھائی بہن ہیں، ان کی شادی کو آٹھ دس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ لیکن اس بات کا علم ہونے کے بعد ان پر جو قیامت گذری، اس کا اندازہ ان بیانات سے لگ سکتا ہے جو انہوں نے اخبارات کو دیئے۔ ان کے کتنے دن رونے میں کٹ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کریں؟ بہرحال پادریوں نے ان کی تسلّی تشفّی کی اور وہ پھر بہن بھائی ہی کی زندگی بسر کرنے لگ گئے۔

یہ کیا تھا؟ صرف اس خیال کا اثر کہ بھائی بہن، میاں بیوی نہیں بن سکتے۔ حالانکہ ایران کے شہنشاہ کھلے بندوں اپنی بہنوں سے شادی کر لیا کرتے تھے۔ یہ ہے خیالات کی وہ بے پناہ قوت جو جنسی جذبہ پر نہایت آسانی سے، بلکہ غیر شعوری طور پر، کنٹرول کر لیتی ہے۔

یہ مثال حقیقی بہن بھائیوں کی ہے۔ قرآن ایک قدم آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ حقیقی بہن بھائی ہی نہیں۔ ہر لڑکے اور لڑکی کے باہمی تعلق بہن بھائیوں کے سے ہیں، اور ان میں تبدیلی صرف اس صورت میں آتی ہے جب کسی لڑکے اور لڑکی میں نکاح ہو جائے۔ (جیسا کہ طلوع اسلام کی اشاعت بابت مئی۔ جون ۱۹۸۲ء میں بھی لکھا جا چکا ہے) اس نے جب کہا ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (۴۹/۱۰) تو اس سے مراد یہی نہیں کہ مومن مردوں کا باہمی تعلق بھائیوں کا سا ہے۔ اس سے یہ بھی مقصود ہے کہ مومن عورتوں اور مردوں کا باہمی تعلق بھی بہن بھائیوں کا سا ہے۔ بجز ان کے جن کے ساتھ نکاح

---

[1] بعض اوقات ایسے واقعات بھی سننے میں آتے ہیں جن میں لوگ اپنی بیٹیوں بہنوں پر بھی دست درازی کر بیٹھتے ہیں لیکن یہ غیر معمولی واقعات نفسیاتی پاگل پن کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ عام انسان ایسا نہیں کرتے۔

ہو جائے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا، اسلام سے پہلے عرب جاہلیہ کا معاشرہ، دیگر خرابیوں کے علاوہ، شدت سے جنس آلود بھی تھا۔ اسی فضا کے پروردہ افراد اسلام لائے تھے۔ مناسب تعلیم و تربیت سے بتدریج آہستہ آہستہ ان کے قلب و نگاہ میں تبدیلیاں پیدا کی جاتی تھیں۔ اور اس طرح انہیں قرآن کے انتہائی معیار تک پہنچایا جاتا تھا۔ قرآن کریم کے مختلف احکام و ہدایات کا انداز یہی ہے۔ جنسیات کے معاملہ میں بھی انہیں رفتہ رفتہ اس مقام تک پہنچایا گیا جہاں یہ حقیقت ان کا جزوِ ایمان بن گئی کہ (میاں بیوی کے سوا) دنیا کی ہر عورت، ان مردوں کی بہن اور ہر مرد ان (عورتوں) کا بھائی ہے۔ یہ اس ایمان کا نتیجہ تھا کہ ان میں جنسی بے راہ روی کا امکان ہی نہ رہا۔ ہم آج عرب جاہلیہ کے مقام پر ہیں اس لئے ہمارے اصلاحِ احوال کے لئے وہی طریق اختیار کیا جائے گا جو صدرِ اوّل میں اختیار کیا گیا تھا۔ یعنی مناسب تعلیم و تربیت سے قلب و نگاہ کی تبدیلی۔ ایسی تبدیلی کہ ہر نوجوان لڑکے کا ایمان ہو کہ ہر لڑکی اس کی بہن ہے، اور ہر لڑکی کا ایمان کہ ہر لڑکا اس کا بھائی ہے۔ یہ ہے إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ کا عملی مفہوم۔ اس کے سوا جنسی اصلاح کی کوئی صورت نہیں۔

آج تو اس ارشادِ خداوندی کا یہ مفہوم ہمارے دلوں سے محو ہو چکا ہے لیکن اس کے دھندلے سے نقوش ابھی کل تک ہمارے معاشرے میں باقی تھے —— بعض گھرانوں میں ان کے نشانات ابھی تک پائے جاتے ہیں۔ بات چونکہ پنجابی گھروں کی ہے اس لئے اسے اُسی زبان میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ باہر کوئی اجنبی مرد دستک دیتا ہے تو لڑکی —— خواہ بچی ہو خواہ جوان —— اندر آ کر ماں سے کہتی ہے کہ "اماں! باہر اک بھائی آیا اے، پچھدا اے تیرا ابا کتھے اے" —— یا (مثلاً) لڑکیاں بلکہ عورتیں تک آپس میں یوں باتیں کرتی ہیں کہ ہم جو دربار گئی ہیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ "اوتھے کتنے بھائی بیٹھے ہوئے سن"۔ یعنی ہمارے معاشرہ میں اجنبی مردوں کو کہا ہی بھائی جاتا تھا۔ اس قسم کے خیالات ہمارے معاشرہ میں اب بھی عام کئے جا سکتے ہیں بشرطیکہ ہم حیوانی زندگی اور انسانی زندگی میں فرق کرنا سیکھ جائیں۔ حیوانی زندگی میں جنسی جذبات کی تسکین بلا حدود و قیود ہوتی ہے، انسانی زندگی میں ان کی تسکین ان حدود کے اندر رہتے ہوئے کی جا سکتی ہے جنہیں قرآن کریم نے متعین کیا ہے۔ اگر آپ نے اس فرق کو سمجھ کر اپنے جنسی جذبات کو اپنے خیالات کے تابع کر لیا تو آپ فضا میں پھیلے ہوئے جراثیم سے قطعاً متاثر نہیں ہوں گے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا، اس کے متعلق مجھ سے نہیں، ڈاکٹر اَنوِن سے پوچھئے جس نے اپنی کتاب کا خاتمہ ان الفاظ پر کیا ہے:۔

> اگر کوئی معاشرہ چاہتا ہے کہ اس کی تخلیقی توانائیاں مدتِ مدید تک، بلکہ ابدالآباد تک قائم اور آگے بڑھتی رہیں تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ پہلے اپنی تخلیقِ نو کرے یعنی پہلے اپنے مردوں اور عورتوں کو قانوناً مساوی حیثیت دے اور پھر اپنے معاشی اور معاشرتی نظام میں اس قسم کی تبدیلیاں کرے جن سے معاشرہ میں جنسی اختلاط کے

مواقع ایک مدت مدید تک، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کم ازکم حد تک محدود رہیں۔ اس طرح اس معاشرہ کا رخ ثقافتی اور تمدنی ارتقاء کی طرف مڑ جائے گا۔ اس کی روایات شاندار ماضی اور درخشندہ مستقبل کی حامل ہوں گی۔ وہ تمدن و تہذیب کے اس بلند مقام تک پہنچ جائے گا جس تک آج تک کوئی نہیں پہنچ سکا اور انسان کی توانائیاں اس کی ان روایات کو ایک ایسے انداز سے صیقل کرتی جائیں گی جو اس وقت ہمارے حیطۂ ادراک میں بھی نہیں آسکتا۔ (صـ ۴۲۲)

آپ نے غور فرمایا کہ اس محقق نے جنسی اصلاح کے لئے کونسے بنیادی اصول شرط قرار دیئے ہیں؟ مردوں اور عورتوں کی مساوات، اور جنسی اختلاط کے کم ازکم مواقع۔ قرآن کریم نے آج سے چودہ سو سال پہلے، ان شرائط کو لاینفک قرار دیا تھا۔ مردوں اور عورتوں کی مساوات کے متعلق آپ اس مقالہ میں دیکھ چکے ہیں جو طلوعِ اسلام کی اشاعت بابت مئی، جون ۱۹۸۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔ جہاں تک جنسی اختلاط کے مواقع کا تعلق ہے، اس نے کہہ دیا کہ قرآنی حدود و قیود سے مشروط نکاح کے سوا، اس اختلاط کی ہر شکل حرام ہے۔ اس سے یہ مواقع کم ازکم حد تک محدود ہو گئے۔

نظامِ ربوبیت

(یہ پہلے ایڈیشن سے کہیں مختلف ہے)

آپ ایک عرصہ سے سنتے چلے آرہے ہیں کہ اسلام، نہ نظامِ سرمایہ داری کا حامی ہے، نہ کمیونزم کا۔ اس کا اپنا منفرد معاشی نظام ہے جس میں نوعِ انسان کی مشکلات کا حل مضمر ہے۔ لیکن کسی نے یہ نہ بتایا کہ اسلام کا وہ معاشی نظام ہے کیا؟

مفکرِ قرآن۔ پرویز صاحب کی اس تصنیف میں بہ نہایت وضاحت بتایا گیا ہے کہ:

(۱) نظامِ سرمایہ داری کیا ہے؟ کمیونزم اور سوشلزم کے نظام کیا ہیں۔ اور یہ کیوں ناکام رہ گئے ہیں۔

ان کے برعکس

(۲) اسلام کا وہ معاشی نظام کیا ہے جو نوعِ انسان کی مشکلات کا اطمینان بخش حل پیش کرتا ہے۔ اس کی روشنی میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ

* مارکس نے کس طرح یہ اعتراف کیا کہ اس کا نظام ناقابلِ عمل ہے۔ * ماؤزے تنگ کا فلسفۂ اضداد کی بنیادیں کس طرح نااستوار ہیں۔
* ربوٰا (سود) کا مسئلہ کیا ہے اور اس کا حل کیا ہے۔ * زکوٰۃ کا قرآنی مفہوم کیا ہے۔

اس کتاب کے بعد آپ کو معاشیات کے موضوع پر کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں رہے گی۔

کتاب آفسٹ کی چھپائی میں، ولایتی سفید کاغذ پر طبع ہوئی ہے — ضخامت سوا چار سو صفحات ...... سنہری جلد

قیمت فی جلد پچاس ۵۰/- روپے —————— (علاوہ محصول ڈاک) * ملنے کا پتہ

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور ○ مکتبہ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور